ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131
ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

جولائی 2025ء | وفا 1404 ھجری شمسی | المحرم 1447 ھجری قمری | جلد 14 نمبر 07

اس شمارہ میں

- تعارف کتاب ”براہین احمدیہ حصہ اول“
- سیرت النبی ﷺ: تعارف کتاب (اَلْمَوَاہِبُ اللَّدُنِیَّۃ بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِیَّۃ)
- خلافت کے ایک عظیم معاون (مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب) کا ذکر خیر اور سوانحی خاکہ
- قرآن، بائبل اور آثار قدیمہ: معجزہ وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ کی حقیقت
- ردّ دہریت: Richard Dawkins کے اعتراضات کے جواب

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب مرحوم

بانی ایڈیٹر رسالہ ہٰذا

ماہنامہ موازنۂ مذاہب

جلد 14 شمارہ 07 وفا 1404 ہجری شمسی، المحرم 1447 ہجری قمری بمطابق **جولائی** 2025ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	ادار یہ؛ **جلسہ سالانہ۔ صحبت صالحین کا ایک حسین بابرکت نظام** : مدیر کے قلم سے	2
2	ارشاد باری تعالیٰ : صحبت صالحین	4
3	ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم : نیک اور برے ساتھی کی مثال	5
4	عام قاعدہ نبیوں کا ... محل شناس لیکچرار : امام الکلام	6
5	جلسہ سالانہ کی اہمیت واغراض : امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	10
6	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ تعارف کتاب: اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة : ابن رفیق	14
7	تعارف کتاب؛ براہین احمدیہ حصہ اول: اے۔ ولیم	27
8	خلافت کے ایک عظیم معاون (مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب) سلطان النصیر، عالم باعمل کا ذکر خیر اور سوانحی خاکہ: ادارہ	34
9	قرآن اور بائبل کا تقابلی مطالعہ؛ توہمات اور فرضی کہانیاں : ایم۔ ناصر	50
10	انجیل متی کی تفسیر: ابن مقبول	58
11	قرآن، بائبل اور آثار قدیمہ؛ معجزہ وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ کی حقیقت: ایم۔ ایم۔ گلفام	64
12	ردّ دہریت؛ Richard Dawkins کے اعتراضات کے جواب؛ کائنات، سائنس اور مذہب: وسیمہ اُپل (آسٹریلیا)	93

پبلشرز : Additional Wakalat Tasneef

Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS UK
office@tasneef.co.uk

اداریہ:

”جلسہ سالانہ۔ صحبت صالحین کا ایک حسین بابرکت نظام“

مدیر کے قلم سے

جماعت احمدیہ کا پہلا جلسہ دسمبر 1891ء میں قادیان میں ہوا۔ جس میں 75 کے قریب احباب شامل ہوئے۔

یہ پہلا جلسہ ایسا بابرکت ثابت ہوا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ فرمایا کہ آئندہ سال سے باقاعدہ جلسہ سالانہ ہوا کرے اور 27 تا 29 دسمبر تین دن کا جلسہ ہو۔ چنانچہ حضورؑ نے اس باقاعدہ جلسہ سالانہ کا پہلی بار اعلان کرتے ہوئے رسالہ ”آسمانی فیصلہ“ میں تحریر فرمایا:

”تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول ﷺ کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو لیکن اس غرض کے حصول کیلئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو کسی بُرہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے سو اس بات کیلئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پروا نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی۔ اور چونکہ ہر یک کیلئے بباعث ضعف فطرت یا کمیٔ مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کیلئے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعال شوق نہیں کہ ملاقات کیلئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے پر روا رکھ سکیں لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کیلئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویّہ تاریخ مقرر پر

حاضر ہو سکیں سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ 27 دسمبر سے 29 دسمبر تک قرار پائے یعنی آج کے دن کے بعد جو تیس دسمبر 1891ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں 27 دسمبر کی تاریخ آجاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کیلئے اور دعا میں شریک ہونے کیلئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے اور اِس جلسہ میں ایسے حقایق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کیلئے ضروری ہیں اور **نیز اُن دوستوں کیلئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدائے تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے** اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر یک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودّد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کیلئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کیلئے ان کی خشکی اور اجنبیّت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کیلئے بدرگاہ حضرت عزت جلّ شانہٗ کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے اور کم مقدرت احباب کیلئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں۔ اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ خرچ سفر کیلئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلادقت سرمایہ سفر میسر آجاوے گا گویا یہ سفر مفت میسر ہو جائے گا اور بہتر ہوگا کہ جو صاحب احباب میں سے اس تجویز کو منظور کریں وہ مجھ کو ابھی بذریعہ اپنی تحریر خاص کے اطلاع دیں تاکہ ایک علیحدہ فہرست میں ان تمام احباب کے نام محفوظ رہیں کہ جو حتی الوسع والطاقت تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے کیلئے اپنی آئندہ زندگی کیلئے عہد کر لیں اور بدل و جان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں بجز ایسی صورت کے کہ ایسے موانع پیش آجائیں جن میں سفر کرنا اپنی حد اختیار سے باہر ہو جائے۔ اور اب جو 27 دسمبر 1891ء کو دینی مشورہ کے لئے جلسہ کیا گیا۔ اِس جلسہ پر جس قدر احباب محض للہ تکلیف سفر اٹھا کر حاضر ہوئے خدا ان کو جزائے خیر بخشے اور ان کے ہر یک قدم کا ثواب ان کو عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین۔" (آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 351 تا 353)

ارشاد باری تعالیٰ

صحبت صالحین

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ۔ (التوبہ: 119)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”جب انسان ایک راستباز اور صادق کے پاس بیٹھتا ہے تو صدق اس میں کام کرتا ہے لیکن جو راستبازوں کی صحبت کو چھوڑ کر بدوں اور شریروں کی صحبت کو اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کر جاتی ہے۔ اسی لئے احادیث اور قرآن شریف میں صحبت بد سے پرہیز کرنے کی تاکید اور تہدید پائی جاتی ہے۔ اور لکھا ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اہانت ہوتی ہو اس مجلس سے فی الفور اٹھ جاؤ۔ ورنہ جو اہانت سن کر نہیں اٹھتا اس کا شمار ان میں ہی ہو گا۔ صادقوں اور راستبازوں کے پاس رہنے والا بھی ان میں ہی شریک ہوتا ہے اس لئے کس قدر ضرورت ہے اس امر کی کہ انسان (کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ) کے پاک ارشاد پر عمل کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ وہ پاک لوگوں کی مجلس میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ لیتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک مجلس دیکھی ہے جس میں تیرا ذکر کر رہے تھے۔ مگر ایک شخص ان میں سے نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں وہ بھی ان میں سے ہی ہے کیونکہ اِنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَا یَشۡقٰی جَلِیۡسُہُمۡ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کی صحبت سے کس قدر فائدے ہیں۔ سخت بد نصیب ہے وہ شخص جو صحبت سے دور ہے۔“

(ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 05 صفحہ 372، 373 ایڈیشن 2022ء یوکے)

نیک اور برے ساتھی کی مثال

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ، وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ، وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ: إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ: إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً.

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب باب استحباب مجالسۃ الصالحین۔۔۔ حدیث: 2628)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن میں سے ایک کستوری اٹھائے ہوئے ہو اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا ہو۔ کستوری اٹھانے والا تجھے مفت خوشبو دے گا یا تو اس سے خرید لے گا۔ ورنہ کم از کم تو اس کی خوشبو اور مہک تو سونگھ ہی لے گا۔ اور بھٹی جھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلادے گا یا اس کا بدبودار دھواں تجھے تنگ کرے گا۔

(ترجمہ بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، خطبہ جمعہ مورخہ 16 جولائی 2004ء)

امام الکلام

عام قاعدہ نبیوں کا... محل شناس لیکچرار

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”**تیسری شاخ** اس کارخانہ کی واردین اور صادرین اور حق کی تلاش کے لئے سفر کرنے والے اور دیگر اغراض متفرقہ سے آنے والے ہیں جو اس آسمانی کارخانہ کی خبر پا کر اپنی اپنی نیتوں کی تحریک سے ملاقات کے لئے آتے رہتے ہیں۔ یہ شاخ بھی برابر نشوونما میں ہے۔ اگرچہ بعض دنوں میں کچھ کم مگر بعض دنوں میں نہایت سرگرمی سے اس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے... جس قدر ان میں سے مستعد لوگوں کو تقریری ذریعوں سے روحانی فائدہ پہنچایا گیا اور ان کے مشکلات حل کر دیئے گئے اور ان کی کمزوری کو دور کر دیا گیا اس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زبانی تقریریں جو سائلین کے سوالات کے جواب میں کی گئیں یا کی جاتی ہیں یا اپنی طرف سے محل اور موقعہ کے مناسب کچھ بیان کیا جاتا ہے یہ طریق بعض صورتوں میں تالیفات کی نسبت نہایت مفید اور مؤثر اور جلد تر دلوں میں بیٹھنے والا ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبی اس طریق کو ملحوظ رکھتے رہے ہیں اور بجز خدا تعالیٰ کے کلام کے جو خاص طور پر بلکہ قلم بند ہو کر شائع کیا گیا باقی جس قدر مقالات انبیاء ہیں وہ اپنے اپنے محل پر تقریروں کی طرح پھیلتے رہے ہیں۔

عام قاعدہ نبیوں کا یہی تھا کہ محل شناس لیکچرار کی طرح ضرورتوں کے وقتوں میں مختلف مجالس اور محافل میں ان کے حال کے مطابق روح سے قوت پا کر تقریر کرتے تھے... انبیاء نہایت سادگی سے کلام کرتے اور جو اپنے دل سے ابلتا تھا وہ دوسروں کے دلوں میں ڈالتے تھے۔ ان کے کلمات قدسیہ عین محل اور حاجت کے وقت پر ہوتے تھے اور مخاطبین کو شغل یا افسانہ کی طرح کچھ نہیں سناتے تھے بلکہ ان کو بیمار دیکھ کر اور طرح طرح کے آفات روحانی میں مبتلا پا کر علاج کے طور پر ان کو نصیحتیں کرتے تھے یا حجج قاطعہ سے ان کے اوہام کو رفع فرماتے تھے۔ اور ان کی گفتگو میں الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہوتے تھے۔ سو یہی قاعدہ یہ عاجز ملحوظ رکھتا ہے اور واردین اور صادرین کی استعداد کے موافق اور ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے اور ان کے امراض لاحقہ کے خیال سے ہمیشہ باب تقریر کھلا رہتا ہے...

یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے چندیں ہزار نبی اور رسول بھیجے اور ان کی شرف صحبت میں مشرف ہونے کا حکم دیا تا ہر ایک زمانہ کے لوگ چشم دید نمونوں کو پا کر اور ان کے وجود کو مجسم کلام الٰہی مشاہدہ کرکے ان کی اقتدا کے لئے کوشش کریں۔ اگر صحبت صادقین میں رہنا واجبات دین میں سے نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ اپنے کلام کو بغیر بھیجنے رسولوں اور نبیوں کے اور طور پر بھی نازل کر سکتا تھا یا صرف ابتدائی زمانہ میں ہی رسالت کے امر کو محدود رکھتا اور آئندہ ہمیشہ کے لئے سلسلۂ نبوّت اور رسالت اور وحی کا منقطع کر دیتا لیکن خدا تعالیٰ کی عمیق حکمت اور دانائی نے ہرگز ایسا منظور نہیں رکھا اور ضرورت کے وقتوں میں یعنی جب کبھی محبت الٰہی اور خدا پرستی اور تقویٰ طہارت وغیرہ امور واجبہ میں فرق آتا رہا ہے مقدس لوگ خدا تعالیٰ سے وحی پا کر نمونہ کے طور پر دنیا میں آتے رہے ہیں اور یہ دونوں قضئے باہم لازم ملزوم ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کو ہمیشہ کے لیے اصلاحِ خلائق کی طرف توجہ ہے تو یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ایسے لوگ بھی ہمیشہ کے لئے آتے رہیں کہ جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی خاص توجہ سے بینائی بخشی ہو اور اپنی

مرضیات کی راہ پر ثابت قدم کیا ہو۔

بلاشبہ یہ بات یقینی اور امور مسلّمہ میں سے ہے کہ یہ مہم عظیم اصلاح خلائق کی صرف کاغذوں کے گھوڑے دوڑانے سے روبراہ نہیں ہو سکتی۔ اسکے لئے اِسی راہ پر قدم مارنا ضروری ہے جس پر قدیم سے خدا تعالیٰ کے پاک نبی مارتے رہے ہیں۔ اور اسلام نے اپنا قدم رکھتے ہی اس موثر طریق کو ایسی مضبوطی اور استحکام سے رواج دیا ہے کہ اُس کی نظیر دوسرے مذہبوں میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ کون اس جماعت کثیر کا دوسری جگہ وجود دکھلا سکتا ہے جو تعداد میں دس ہزار سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور کمال اعتقاد اور انکسار اور جانفشانی اور پوری محویّت سے سچائی کے حاصل کرنے اور راستی کے سیکھنے کے لئے آستانہ نبوی پر دن رات پڑی رہتی تھی بے شک حضرت موسیٰ کو بھی ایک جماعت ملی تھی مگر وہ کیسی اور کس قدر سرکش اور متمرّد اور روحانی صحبت اور صدق قدم سے دُور اور مہجور رہنے والی تھی.....

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کی رُو سے سچ مچ عضو واحد کی طرح ہو گئی تھی اور اُن کے روزانہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوارِ نبوّت ایسے رَچ گئے تھے کہ گویا وہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عکسی تصویریں تھے۔

سو یہ بھاری معجزہ اندرونی تبدیلی کا جس کے ذریعہ فحش بُت پرستی کرنے والے کامل خدا پرستی تک پہنچ گئے اور ہر دم دنیا میں غرق رہنے والے محبوب حقیقی سے ایسا تعلق پکڑ گئے کہ اس کی راہ میں پانی کی طرح اپنے خونوں کو بہا دیا یہ دراصل ایک صادق اور کامل نبی کی صحبت میں مخلصانہ قدم سے عمر بسر کرنے کا نتیجہ تھا۔ سو اِسی بنا پر یہ عاجز اس سلسلہ کے قائم رکھنے کے لئے مامور کیا گیا ہے اور چاہتا ہے کہ صحبت میں

رہنے والوں کا سِلسلہ اور بھی زیادہ وسعت سے بڑھا دیا جائے اور ایسے لوگ دن رات صحبت میں رہیں کہ جو ایمان اور محبت اور یقین کے بڑھانے کے لیے شوق رکھتے ہوں اور اُن پر وہ انوار ظاہر ہوں کہ جو اس عاجز پر ظاہر کئے گئے ہیں اور وہ ذوق اُن کو عطا ہو جو اس عاجز کو عطا کیا گیا ہے تا اسلام کی روشنی عام طور پر دنیا میں پھیل جائے اور حقارت اور ذلّت کا سیہ داغ مسلمانوں کی پیشانی سے دھویا جائے۔ اِسی کی بشارت دیکر خداوند خدا نے مجھے بھیجا اور کہا کہ بخرام کہ وقت تونزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلندتر محکم اُفتاد۔"

(فتح اسلام، روحانی خزائن جلد03 صفحہ 14 تا23)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں:

"واعظ ایسے ہونے چاہئیں جن کی معلومات وسیع ہوں۔ حاضر جواب ہوں۔ صبر اور تحمل سے کام کرنے والے ہوں۔ کسی کی گالی سے افروختہ نہ ہو جائیں۔ اپنے نفسانی جھگڑوں کو درمیان میں نہ ڈال بیٹھیں۔ خاکسارانہ اور مسکینانہ زندگی بسر کریں۔ سعید لوگوں کو تلاش کرتے پھریں۔ جس طرح کہ کوئی کھوئی ہوئی شئے کو تلاش کرتا ہے۔

مفسدہ پرداز لوگوں سے الگ رہیں۔ جس کسی گاؤں میں جائیں وہاں دو چار دن ٹھہر جائیں۔ جس شخص میں فساد کی بدبو پائیں اس سے پرہیز کریں کچھ کتابیں اپنے پاس رکھیں جو لوگوں کو دکھائیں جہاں مناسب جانیں وہاں تقسیم کر دیں۔"

(ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جلد09 صفحہ296 ایڈیشن 2022ء یوکے)

کلام الامام

جلسہ سالانہ کی اہمیت و اغراض

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ برطانیہ کا جلسہ سالانہ شروع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ۔..... اللہ تعالیٰ سب شامل ہونے والوں کو ان توقعات پر پورا اترنے والا بنائے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شاملین جلسہ سے رکھی ہیں اور تمام شامل ہونے والوں کو ان دعاؤں کا وارث بنائے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلسہ میں شامل ہونے والوں کے لئے کی ہیں۔ یہ تو ہر احمدی جانتا ہے اور اسے علم ہونا چاہئے اور اس بات کا خاص طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا ہے کہ جلسہ میں شمولیت کسی دنیاوی میلے میں شمولیت نہیں ہے۔ اس لئے ہر شامل ہونے والے کو ان دنوں میں اپنی توجہات کا مرکز دینی، علمی اور روحانی ترقی کو بنانا چاہئے۔ بلکہ آپ علیہ السلام نے ان لوگوں سے بڑی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جو اس سوچ کے ساتھ جلسہ میں شامل نہیں ہوتے۔

(ماخوذ از شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 395)

جلسے کے پروگرام اس سوچ کے ساتھ بنائے جاتے ہیں اور مقررین کی تقریریں اور ان کے عناوین پر اس سوچ کے ساتھ پہلے ایک کمیٹی غور کرتی ہے جس سے دینی، علمی اور روحانی ترقی میں مدد مل سکے۔ یہ ایک لمبی فہرست ہوتی ہے اور پھر ان عناوین میں سے خلیفہ وقت کے پاس وہ منظوری کے لئے آتے ہیں اور پھر ان میں سے کچھ مضامین، کچھ عناوین تجویز کئے جاتے ہیں جو یہاں مقررین پیش کرتے ہیں تاکہ شامل ہونے والوں کی دینی، علمی اور روحانی ترقی کے لئے بہتر سے بہتر مواد مہیا کیا جاسکے۔

پس جلسہ پر آنے والوں کو جلسہ کے پروگراموں کو جلسہ کے اوقات میں جلسہ کی مارکی میں یہ جلسہ گاہ جو ہے،

اس میں خاموشی سے بیٹھ کر سننے کو یقینی بنانا چاہئے۔ بعض دفعہ مَردوں کی طرف سے اور عموماً عورتوں کی طرف سے یہ شکایت آتی ہے کہ بجائے **خاموشی سے جلسہ گاہ میں بیٹھ کر جلسہ کی کارروائی سنیں** بعض لوگ جلسہ کی مارکی کے باہر ٹولیوں میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں وقت گزار رہے ہوتے ہیں اور بچوں کو کھیل کود کا سامان دے کر جلسہ کی مارکی کے ساتھ ہی انہیں کھیلنے کا موقع دیا جارہا ہوتا ہے۔ اس سے تو بچوں کو بھی احساس نہیں ہو گا کہ دینی مجلس کا تقدّس کیا ہے؟ اگر بچے اتنے چھوٹے ہیں کہ کھیل کود کی عمر ہے اور ان کو بہلانے کے لئے ضروری ہے کچھ دیا جائے تو پھر بچوں کی مارکی میں بچوں کو لے جائیں وہاں بچے کھیلتے رہیں وہاں سامان مہیا ہے۔ لیکن جو مَین مارکیاں ہیں عورتوں کی بھی اور مردوں کی بھی اس کے ساتھ بچوں کا کھیل کود میں مصروف ہونا اور ماں باپ کا ان کے قریب ہی بیٹھ کر ٹولیاں بنا کر باتیں کرنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔.....

پس ہر ایک کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مقررین اور علماء اتنا وقت لگا کر محنت کر کے جو مواد تیار کرتے ہیں اسے غور سے سنیں اور پھر یاد بھی رکھیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر سننے والے مرد بھی اور عورتیں بھی ان تقاریر کا پچاس فیصد بھی یاد رکھیں تو اپنے علمی، دینی اور روحانی معیار کو کئی گنا بڑھا سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک **موقع پر فرمایا کہ سب کو متوجہ ہو کر تقریروں کو سننا چاہئے۔** فرمایا کہ ”پورے غور اور فکر کے ساتھ سنو کیونکہ یہ معاملہ ایمان کا معاملہ ہے۔ اس میں غفلت، سستی اور عدم توجہ بہت بُرے نتیجے پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ ایمان میں غفلت سے کام لیتے ہیں اور جب ان کو مخاطب کر کے کچھ بیان کیا جاوے تو غور سے اس کو نہیں سنتے ہیں ان کو بولنے والے کے بیان سے خواہ وہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا مفید اور موٴثر کیوں نہ ہو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔“ فرمایا ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے ”کہ وہ کان رکھتے ہیں مگر سنتے نہیں اور دل رکھتے ہیں پر سمجھتے نہیں۔ پس یاد رکھو کہ جو کچھ بیان کیا جاوے اسے توجہ اور بڑی غور سے سنو کیونکہ جو توجہ سے نہیں سنتا ہے وہ خواہ عرصہ دراز تک فائدہ رساں وجود کی صحبت میں رہے اسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔“

(ملفوظات جلد3 صفحہ 143-142)

پس ایک حصہ خاص طور پر جب بعض دفعہ عمومی شکایتیں آتی ہیں تو وہ جو مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی مارکی کے آخری حصہ میں بیٹھے ہوتے ہیں انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہئے کہ اگر وہ شکایتیں صحیح ہیں تو اس دفعہ ان کو

کارکنوں کو، ڈیوٹی والوں کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہئے۔ ان کو چاہئے کہ وہ جلسہ کی کارروائی کو نہایت سنجیدگی سے سنیں اور اس نیت سے سنیں کہ اس سے ہم نے صرف ذہنی حظّ نہیں اٹھانا یا کسی علمی نکتے کو سن کر وقتی علمی حظّ نہیں اٹھانا بلکہ اس لئے سننا ہے کہ ہمیں مستقلاً علمی اور روحانی فائدہ ہو۔

پھر بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے پسندیدہ مقرر چنے ہوتے ہیں اور صرف انہی کی تقاریر کے لئے جلسہ گاہ میں آتے ہیں۔ ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

''مَیں اپنی جماعت اور خود اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے یہی چاہتا اور پسند کرتا ہوں کہ ظاہری قیل وقال جو لیکچروں میں ہوتی ہے اس کو ہی پسند نہ کیا جاوے اور ساری غرض وغایت آکر اس پر ہی نہ ٹھیر جائے کہ بولنے والا کیسی جادو بھری تقریر کر رہا ہے۔ الفاظ میں کیسا زور ہے۔'' فرمایا: ''مَیں اس بات پر راضی نہیں ہوتا۔ مَیں تو یہی پسند کرتا ہوں اور نہ بناوٹ اور تکلّف سے بلکہ میری طبیعت اور فطرت کا ہی یہی اقتضا ہے کہ جو کام ہو اللہ تعالیٰ'' کے لئے ہو۔ جو بات ہو خدا کے واسطے ہو۔''

''... مسلمانوں میں ادبار اور زوال آنے کی یہ بڑی بھاری وجہ ہے ورنہ اس قدر کانفرنسیں اور انجمنیں اور مجلسیں ہوتی ہیں اور وہاں بڑے بڑے لسّان اور لیکچرار اپنے لیکچر پڑھتے اور تقریریں کرتے، شاعر قوم کی حالت پر نوحہ خوانیاں کرتے ہیں۔ وہ بات کیا ہے کہ اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ قوم دن بدن ترقی کی بجائے تنزّل ہی کی طرف جاتی ہے۔'' فرمایا: ''بات یہی ہے کہ ان مجلسوں میں آنے جانے والے اخلاص لے کر نہیں جاتے۔''

(ملفوظات جلد1 صفحہ 398، 399، 401)

پس آپ نے ان لوگوں کا یہ نقشہ کھینچا ہے جو دنیا دار ہیں۔ جن کے لیکچر، جن کی تقریریں چاہے وہ دین کے نام پر ہوں دنیا کی نام ونمود کی خاطر ہوتی ہیں۔ بلکہ آپ نے ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ یہ تقریریں کرنے والے اکثر بجائے یہ شوق رکھنے کے کہ ہماری تقریر لوگوں کے دلوں پر اثر کر کے ان کی علمی و روحانی بہتری کا باعث بنے، اپنی تقریر کے دوران صرف اس سوچ میں ہوتے ہیں کہ ان کی واہ واہ ہو۔ گویا کہ تقریر کے دوران ایسے مقررین نے اپنے معبود اُن سامعین کو بنایا ہوتا ہے جو اُن کی باتیں سن رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے فرمایا شامل ہونے والے بھی اخلاص لے کر جلسوں میں شامل نہیں ہوتے، باتیں نہیں سنتے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد1 صفحہ 401)

اگر اخلاص کے ساتھ آئیں تو بالکل ایک اور اثر ہو رہا ہو، مثبت اثر ہو رہا ہو۔ لیکن بہر حال ہمارے جلسوں کے نہ تو مقررین کا یہ مقصد ہے اور نہ عموماً سامعین کا یہ مقصد ہے اور نہ ہی یہ ہونا چاہئے کہ بجائے ان باتوں کو سمجھ کر اپنی اصلاح اور بہتری کا ذریعہ بنائیں، عارضی طور پر حظّ اٹھایا جائے۔ اگر ہمارے اندر بھی کچھ لوگ ایسے ہیں تو انہیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا کہ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا۔ اس احسان کا حق ہم اسی صورت میں ادا کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اس بات پر ہی ہم حقیقی رنگ میں شکر ادا کر سکتے ہیں جب ہم خالصةً لِلّٰہ ہر کام کرنے والے ہوں، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر کام کرنے والے ہوں۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو اس لئے کہ چند ایک کی کمزوری کی حالت اکثریت کی سوچ نہ بن جائے۔ چند ایک کو دیکھ کر نئی آنے والی نسلیں یہ نہ سمجھ لیں کہ جلسوں میں بیٹھ کر باتیں کرنا اور توجہ نہ دینا جائز ہے۔ اور اگر میں اس حوالے سے بات کرتا ہوں تو اس لئے کہ یاددہانی ہوتی رہے اور اگر کوئی کمزوری ہے تو ساتھ کے ساتھ دُور ہوتی چلی جائے تاکہ جیسا کہ مَیں نے کہا ہمارے نئے آنے والے اور ہمارے بچے اور ہمارے نوجوان اس بات کو سامنے رکھیں کہ جلسے کی کیا اہمیت ہے۔ اگر جلسہ ہماری علمی اور روحانی ترقی پر مثبت طور پر اثر انداز نہیں ہو رہا اور بشری کمزوری کے تقاضے کے تحت ہم میں سے کچھ بعض تقریروں اور مقررین سے صحیح استفادہ نہیں کرتے تو یہ قابل فکر بات ہے۔ اللہ تعالیٰ مقررین کی زبان میں بھی برکت ڈالے کہ وہ اپنے ذمہ لگائے گئے مضمون کو سننے والوں کے ذہنوں میں اس طرح ڈال سکیں کہ وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول کی باتیں ہیں، جو عشق و وفا کی باتیں ہیں، جو تعلق باللہ کی باتیں ہیں، جو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق مسیح موعود اور مہدی معہود سے تعلق اور اطاعت کی باتیں ہیں، لوگوں کے ذہنوں میں داخل ہو جائیں اور مثبت اثر ڈالنے والی ہوں۔

پس ہر وہ شخص جو جلسے میں آیا ہے اس بات کو یقینی بنائے کہ اس نے ان تین دنوں میں دنیا کے معاملات کو بھول جانا ہے اور بھول کر اپنے دینی اور روحانی معیاروں کو بڑھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مورخہ 12 اگست 2016ء بحوالہ خطبات مسرور جلد 14 صفحہ 429تا432)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِيَّة

(ابن رفیق)

مصنف کا تعارف:

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر لکھی جانے والی یہ کتاب جو "اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة" کے نام سے معروف ہے اس کے مصنف کا نام احمد بن محمد ہے جو امام قَسْطَلَانِي کے نام سے مشہور ہیں، کنیت ابو العباس لقب شہاب الدین ہے خاندانی نسبت سے قُتَيْبِي، جائے پیدائش اور سکونت کی وجہ سے قاہری کہلاتے ہیں علامہ قسطلانی اپنے دور کے بہت بڑے امام، فن قرأت کے ماہر،، روشن دماغ فقیہہ، مصنف اور باکمال آدمی تھے۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم:

امام قسطلانی 12 ذی القعدہ 851ھ (1448ء) کو مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، مصر ہی میں قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید و قرآت اور صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی۔

مشائخ اور اساتذہ:

امام قسطلانی نے اپنے وقت کے شیخ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ سے علم حاصل کیا۔ ان کے علاوہ بھی علامہ قسطلانی نے متعدد علماء سے استفادہ کیا جن میں سے بعض اساتذہ کے اسماء درج ہیں: امام عمر بن قاسم انصاریؒ، علامہ عبد الغنی حیثمیؒ، علامہ شہاب بن اسدؒ، علامہ خالد الازہری نحویؒ، علامہ فخر مقسمیؒ، حضرت امام سخاویؒ، شیخ برہان عجلونیؒ، شیخ زکریا انصاریؒ۔

علامہ قسطلانی نے صحیح بخاری شیخ علی شاویؒ سے پڑھی۔ نیز انہوں نے مکہ مکرمہ میں بھی علماء سے علم حاصل کیا۔

شخصی صفات:

امام قسطلانیؒ زاہد، پاکباز و پارسا شخص تھے۔ قرآن مجید اور حدیث بہت عمدہ لہجے میں پڑھتے تھے، آواز میں سوز تھا۔ آپ نرم خو، ملنسار، محبت کرنے اور تواضع سے پیش آنے والے آدمی تھے۔ آپ جلیل القدر امام، ثقہ عالم، حافظ قرآن وحدیث تھے۔ آپ کا تصنیف و تالیف کا انداز اور اسلوب عمدہ تھا، مضمون کی ترتیب ایسے لطیف پیرائے میں کرتے کہ عبارت میں کوئی ابہام اور الجھاؤ باقی نہ رہتا۔ امام علائی آپ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

إِنَّهٗ كَانَ فَاضِلًا مُحْصِلًا دِيْنًا عَفِيْفًا مُتَقَلِّلًا مِنْ عَشَرَةِ النَّاسِ، إِلَّا فِي الْمُطَارَعَةِ وَالتَّأْلِيْفِ وَالْإِقْرَاءِ وَالْعِبَادَةِ۔ (الکواکب السائرۃ بأعیان مئۃ العاشرہ طبقۃ الاولیٰ جلد1 صفحہ 137)

مفہوماً ترجمہ: آپ فاضل، صاحب رائے، دیانت دار اور پاک دامن ہونے کی وجہ سے ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے مگر اپنی افتاد طبع کی وجہ سے خلوت پسند تھے خود کو مطالعہ، تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور عبادات میں مشغول رکھتے تھے۔

آپ نے متعدد حج بھی ادا کیے اور تین مرتبہ آپ نے حرمین شریفین میں مجاورت کی سعادت بھی حاصل کی۔

وفات:

امام احمد بن محمد قسطلانی کی وفات 7 محرم 923ھ (1517ء) کو ہوئی اور جامعہ الازھر کے قریب قاضی بدر الدین عینی کے مدرسہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّة، جلد1 صفحہ 13)

چند مشہور تصنیفات:

اللہ تعالی نے آپ کے قلم اور زبان دونوں میں بڑی سعادت اور برکت رکھی تھی۔ آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں، جو عوام الناس میں کافی مقبول تھیں، خصوصاً اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّة۔ آپ نے مَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّة کے علاوہ بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ارشاد الساری شرح صحیح البخاری۔ شرح صحیح بخاری (کشف الظنون جلد1 صفحہ 552 و جم المطبوعات میں 1511)
- امتاع الاسماع والابصار (کشف الظنون جلد 1 صفحہ 166)
- الروض الزاهر فی مناقب الشیخ عبد القادرؒ (کشف الظنون جلد 1 صفحہ 919)
- منهاج الابتهاج۔ شرح صحیح مسلم (نصف شرح) (کشف الظنون جلد 1 صفحہ 558)

کتاب کا تعارف:

نویں اور دسویں صدی ہجری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھی جانے والی علامہ قسطلانی کی یہ کتاب اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِيَّة کافی مشہور ہے۔ اس دور کی چند دیگر کتب میں علامہ مقریزی کی امتاع الاسماع، علامہ یحییٰ بن ابو بکر العامری کی بهجة المحافل، علامہ سیوطی کی الخصائص الکبریٰ، علامہ شامی کی سبل الھدیٰ اور علامہ دیار بکری کی تاریخ الخمیس قابل شامل ہیں۔

اس دور کی تمام کتب سیرت میں سے "اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِيَّة" کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب نہ تو مختصر ہے اور نہ ہی بہت طویل۔ علامہ قسطلانی نے اعتدال اور جامعیت کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب 4 جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے 2700 صفحات ہیں۔
((اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، شائع کردہ از المکتب الاسلامی 2004ء)

کتاب کے مقدمے میں مصنف نے اس کا تفصیلی تعارف کرایا ہے اور بتایا ہے کہ میں نے کتاب کو دس مقاصد میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا مقصد نبی اکرم ﷺ کے اعزاز و شرف کا بیان۔ دوسرا مقصد نبی اکرم ﷺ کے مبارک اسماء وصفات کا بیان۔ تیسرا مقصد نبی اکرم ﷺ کی کمال خلقت، جمال صورت و دیگر اوصاف کا بیان۔ چوتھا مقصد آپ ﷺ کے معجزات کا بیان۔ پانچواں مقصد آپؐ کے اسراء و معراج اور وہاں کے مشاہدات و اسرار و حکم کا بیان۔ چھٹا مقصد ان آیات کے بیان میں جو نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت اور آپؐ کے منصب نبوت اور اس سے متعلق امور کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ساتواں مقصد آپؐ کی محبت و اتباع اور آپ کی آل اولاد و اصحاب کی محبت کا بیان۔ آٹھواں مقصد طبِ نبوی، تعبیر رؤیا اور آپؐ کا غائب کی خبریں دینے کا بیان۔ نواں مقصد آپؐ کی عبادات اور ان کے لطائف کا بیان اور دسواں مقصد اللہ تعالیٰ کا آپؐ پر اپنی نعمتوں کی تکمیل، آپؐ کی مبارک قبر کی زیارت، آپؐ کی شفاعت اور مقام محمود کے بیان میں ہے۔

اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محدثین اور اہل سیر کی روایات کا حسین امتزاج ہے۔ علامہ قسطلانی نہ صرف محدث تھے بلکہ عظیم سیرت نگار بھی تھے۔ علم حدیث میں جہاں ان کی خدمت "ارشاد الساری شرح صحیح بخاری" ہے وہاں سیرت میں ان کی نمایاں خدمت "اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِيَّة" ہے۔ جس کی تالیف میں محدثین اور اہل سیر دونوں کی روایات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

علامہ قسطلانی نے سیرت نگاری میں جس تحقیقی راستہ کو اختیار کیا ہے اس کو درج ذیل نکات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

- روایت کی ترجیح و تردید کا معیار
- متعارض و متناقض روایات میں جمع و تطبیق
- شواہد حدیث (حدیث کی تقویت دوسری حدیث سے)
- کثرت طرق کی بناء پر حدیث کی تقویت
- روایات کے ماخذ و اسناد کا التزام
- راویوں کی جرح و تعدیل

روایت کی ترجیح و تردید کا معیار:

اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے سیرت نبوی ﷺ کی تالیف میں سب سے زیادہ کتب احادیث سے استفادہ کیا ہے جن میں صحاح و مسانید اور سنن کے تقریباً تمام مجموعے شامل ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے معجزات و خصائص، اخلاق و عادات اور عبادات و معاملات سے متعلق روایات و احادیث زیادہ تر محدثین ہی سے نقل کی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت، مکی و مدنی زندگی اور غزوات کی تفصیلات کے لیے سیرت نبویہ کے بنیادی ماخذوں، سیرت ابن ہشام و ابن اسحاق، طبقات ابن سعد، تاریخ طبری، واقدی کی کتاب المغازی اور دیگر کتب سیرت سے استفادہ کرنے کے علاوہ آپ نے کتب احادیث سے بھی بہت سی ایسی روایات لی ہیں جن کا تعلق غزوات نبویؐ سے ہے۔ سیرت نبویؐ کے ہر واقعہ کے لیے اہل سیر کی روایات کے پہلو بہ پہلو محدثین کی روایات بھی لاتے ہیں اور موازنہ کے بعد صحیح روایت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

مثلاً فتح مکہ کے بارے میں علامہ واقدی کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان 8 ہجری کی دس راتیں گزرنے کے بعد بدھ کے روز عصر کے بعد نکلے۔ (کتاب المغازی، از محمد بن عمر الواقدی، جلد 1، صفحہ 801) یہاں بدھ کا دن محل نظر ہے کیونکہ یکم رمضان کو ہفتہ تھا اور 10 رمضان کو سوموار بنتا ہے۔ (توفیقات الاھامیۃ فی مقارنۃ التواریخ حصہ اول صفحہ 40) اسی طرح امام احمد کی روایت کے مطابق: رمضان کی دو راتیں گزرنے کے بعد نکلے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد 10 صفحہ 275) علامہ قسطلانی کے نزدیک واقدی کی روایت قوی نہیں اس لیے کہ اس کی مخالف روایت زیادہ صحیح ہے۔ (مواہب اللدنیہ، جلد 1 صفحہ 565)

علامہ قسطلانی نے روایات کی ترجیح و تردید کے لیے جو طریقہ کار اختیار کیا اس کی وضاحت ان نکات سے ہوتی ہے۔

(1) صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایات کو ترجیح:

روایات کی ترجیح و تردید کے ضمن میں علامہ قسطلانی کی سیرت نگاری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ

صحیحین کی روایات کو نہ صرف اہل سیر کی روایات پر بلکہ دیگر صحاح واسانید اور سنن کے مجموعوں کی روایات پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ بعض مواقع پر خود ترجیح دیتے ہیں اور بعض اوقات ابن حجر کا ترجیحی قول نقل کر دیتے ہیں۔ مثلاً: غزوہ ذات الرقاع کی تاریخ کے بارے میں اہل سیر کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کے نزدیک غزوہ ذات الرقاع چار ہجری ربیع الاول میں ہوا۔ (سیرت النبی لابن ہشام، جلد3صفحہ225) ابن سعد نے محرم 5 ہجری کی تاریخ بتائی ہے۔ (طبقات ابن سعد، جلد1صفحہ96) جبکہ امام بخاری کے نزدیک غزوۂ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد ہوا تھا۔ (کتاب المغازی، باب غزوہ ذات الرقاع)

علامہ قسطلانی اس تضاد کے حل کے لیے فتح الباری سے ابن حجر کی رائے نقل کرتے ہیں:

یہ تردد لاحاصل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ غزوہ، غزوہ بنو قریظہ کے بعد ہوا۔ کیونکہ صلوٰۃ الخوف غزوہ خندق میں مشروع نہیں ہوئی تھی۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف غزوہ ذات الرقاع میں مشروع ہوئی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ، غزوہ خندق کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ نیز امام بخاری کے اس قول "وَهِيَ بَعْدَ خَيْبَرَ" کے بارے میں کہا ہے کہ ابو موسیٰؓ غزوہ خیبر کے بعد آئے تھے اور غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے۔ لہٰذا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ غزوہ، غزوہ خیبر کے بعد وقوع پذیر ہوا۔

پھر لکھتے ہیں کہ:

دمیاطی نے حدیث صحیح کے غلط ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جمیع اہل سیر اس حدیث کے مخالف ہیں اور غزوہ ذات الرقاع کی تاریخ کے بارے میں آپس میں مختلف ہیں۔ تو اس صورت میں جو چیز حدیث صحیح سے ثابت ہے اس پر اعتماد کرنا اولیٰ ہے۔ (اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد1صفحہ434)

(2) اہل سیر کی روایات کو محدثین کی روایات پر ترجیح:

علامہ قسطلانی گو کہ محدثین کی روایات کو اہل سیر کی روایات پر ترجیح دیتے ہیں لیکن بعض ایسی روایات جن میں محدثین اور اہل سیر کے درمیان اختلاف ہے، آپ نے اہل سیر کی روایات کو ترجیح دی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ روایات کو یوں ہی قبول نہیں کر لیتے تھے، بلکہ تحقیق و تفتیش کے بعد صحیح روایت کو لیتے تھے۔

غزوہ بدر میں کفار کے ساتھ مبارزت میں حضرت حمزہؓ عتبہ کے مقابلے میں، حضرت عبیدہؓ شیبہ کے مقابلے میں، اور حضرت علیؓ ولید کے مقابلے میں نکلے۔ یہ اہل سیر کی روایت ہے۔ لیکن سنن ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت حمزہؓ نے عتبہ کا، حضرت عبیدہؓ نے ولید کا، اور حضرت علیؓ نے شیبہ کا مقابلہ کیا۔ (سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی المبارزۃ)

علامہ قسطلانی نے اس موقع پر اہل سیر کی روایت کو قبول کیا ہے۔ علامہ ابن حجر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

سنن ابو داوٗد کی روایت اگرچہ صحیح ترین ہے۔ لیکن جو کچھ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے ولید کا مقابلہ کیا وہ مشہور بھی ہے اور لائق مقام بھی۔ اس لیے کہ عبیدہؓ اور شیبہ دونوں بوڑھے تھے جیسے کہ عتبہ اور حمزہؓ دونوں بوڑھے تھے۔ اس کے برخلاف حضرت علیؓ اور ولید دونوں جوان تھے۔ (فتح الباری، شرح صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل)

(3) محدثین کی خلاف قرائن و قیاس روایات کی تردید:

علامہ قسطلانی جہاں بعض روایات کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں وہاں بہت سی خلاف قرائن و قیاس روایات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

امام ابو داوٗد نے ابو بکرہؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم کے ساتھ نماز خوف ادا کی تھی۔ (سنن ابو داوٗد، کتاب الصلوٰۃ، باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعتین)

یہ روایت تو ملتی ہے لیکن یہ ذکر نہیں ملتا کہ ابو بکرہؓ نے نماز پڑھی تھی یا نہیں۔

علامہ قسطلانی نے ابن حجر کے حوالہ سے لکھا ہے:

حالانکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ غزوہ طائف کے بعد ایمان لائے اور صلوٰۃ الخوف غزوہ ذات الرقاع میں پہلی دفعہ پڑھی گئی اور غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ (اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ، جلد1 صفحہ 435)

اسی طرح غزوہ تبوک کی تاریخ کے ضمن میں امام بخاری کی روایت کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ غزوہ بلا اختلاف ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینے میں وقوع پذیر ہوا، لیکن امام بخاری نے اسے حجۃ الوداع کے بعد ذکر کیا ہے۔ (اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ، جلد1 صفحہ 625)

(4) اہل سیر کی خلاف قرائن و قیاس روایات کی تردید:

علامہ قسطلانی نے اہل سیر کی کئی روایات کی اس بناء پر تردید کی کہ وہ قرائن کے خلاف تھیں۔ مثلاً: ابن اسحاق وابن سعد کے مطابق پہلی عورت جو حضرت خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہوئی وہ ام الفضل زوجہ حضرت عباسؓ ہیں اور اسماء بنت ابو بکرؓ اور عائشہؓ ہیں۔

(اسد الغابہ، صفحہ 1577 زیر لفظ ام لبابہ، افضل) و (طبقات الکبریٰ، جلد 8 صفحہ 217 ایڈیشن 3 ناشر دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

علامہ قسطلانی، امام مغلطائی کے حوالے سے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ وہم ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں تو وہ ایمان کیسے لاتیں۔ آپ کی

ولادت نبوت کے چوتھے سال ہوئی تھی۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد1 صفحہ 221)

(5) مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے:

بعض متعارض روایات ایسی ہوتی ہے کہ جن میں ایک روایت سے کسی مسئلہ کا مثبت پہلو مستنبط ہوتا ہے تو دوسری روایت سے اس مسئلے کا منفی پہلو نکلتا ہے۔ مصنف نے ایسی متعارض روایات میں مثبت پہلو والی روایات دوسری روایات پر ترجیح دی ہے جن سے منفی پہلو نکلتا ہے۔ مثلاً صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا، حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔(صحیح بخاری کتاب الادب، باب التبسم والضحک)

مفہوماً ترجمہ: میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو اس طرح قہقہہ لگا کر ہنستے نہیں دیکھا جس سے آپؐ کے لَهَوَات نظر آجائیں۔ بیشک آپ ﷺ مسکراتے تھے۔

جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ۔(صحیح بخاری کتاب الادب، باب التبسم والضحک)

ترجمہ: آپ ﷺ اتنا ہنسے کہ آپؐ کی نَوَاجِذ (پچھلی داڑھیں) ظاہر ہوگئیں۔

علامہ قسطلانی کے مطابق:

حضرت عائشہؓ نے روایت کی نفی کی ہے اور حضرت ابوھریرہؓ نے جس چیز کا مشاہدہ کیا ہے اس کی خبر دی ہے اور مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے۔ (اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد2 صفحہ 279)

(6) موضوع و باطل روایات کی تردید و نشاندہی:

اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة میں موضوع اور ضعیف احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ بقول علامہ شبلی نعمانی ان کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔(سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی، جلد1 صفحہ 52)

نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت، قبر نبوی کی زیارت، حضرت عباسؓ کے فضائل میں اور دیگر کئی موضوعات کے تحت مؤلف نے موضوع احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

علاوہ ازیں بہت سی موضوع و باطل روایات کی انہوں نے نشاندہی کرتے ہوئے ان کی تردید بھی کی ہے۔ مثلاً

أَنَّ الْوَرْدَ خُلِقَ مِنْ عَرَقِهِ أَوْ مِنْ عَرَقِ الْبُرَاقِ۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد2 صفحہ 312)

ترجمہ: بے شک گلاب کے پھول کو آپ ﷺ کے پسینے یا براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا ہے۔

مصنف کے مطابق:

شیخ سخاوی نے "الاحادیث المشتہرہ" میں امام نووی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث درست نہیں اور ابن حجر کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد2 صفحہ 312)

(7) ضعیف روایات کی نشاندہی:

مَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة میں ضعیف احادیث بکثرت ہیں۔ مصنف نے ان احادیث کی نشاندہی کی اور ان کے ضعف کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ ان ضعیف احادیث میں منکر (وہ احادیث جن میں ضعیف راویوں نے مضبوط راویوں کی مخالفت کی ہو)، متروک (وہ احادیث جن کے راویوں پر جھوٹ بولنے کا الزام ہو)، معضل (غیر متصل احادیث)، مدرج (وہ احادیث جن کی سند یا متن میں ایسا اضافہ کیا ہو جو اصل میں نہ ہو) ہر درجے کی ضعیف احادیث ہیں۔ بعض احادیث شدید ضعف کی حامل ہیں۔

مؤلف نے عقیق کی انگوٹھی پہننے سے متعلق ضعیف احادیث کی نشاندہی کی ہے۔ مثلاً تَخَتَّمُوا بِالْعَاقِيقِ وَالْيَمِينُ أَحَقُّ بِالزِّينَةِ، تَخَتَّمُوا بِالْعَاقِيقِ فَإِنَّهُ مُبَارَكٌ۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد2 صفحہ 457)

تم عقیق کی انگوٹھی پہنو اور دایاں ہاتھ زینت کا زیادہ حق دار ہے تم عقیق پہنو کیونکہ وہ مبارک ہے

مصنف نے ابن حجر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ تمام احادیث غیر ثابت ہیں۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد2 صفحہ 458)

ابن سعد اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت کیا ہے:

ہم نبی اکرم ؐ کے ساتھ رمضان کی 18 تاریخ کو خیبر کی طرف نکلے۔(طبقات ابن سعد، جلد2 صفحہ 304)

علامہ قسطلانی کے مطابق:

إِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لَكِنَّهُ خَطَأٌ وَلَعَلَّهَا كَانَتْ إِلَى حُنَيْنٍ فَتَصَحَّفَتْ. وَتَوْجِيهُهُ: بِأَنَّ غَزْوَةَ حُنَيْنٍ كَانَتْ نَاشِئَةً عَنْ غَزْوَةِ الْفَتْحِ، وَغَزْوَةُ الْفَتْحِ خَرَجَ فِيهَا -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي رَمَضَانَ جَزْمًا۔

اس حدیث کی اسناد حسن ہیں لیکن راوی سے خطا ہو گئی ہے۔ شاید کہ آپ ؐ حنین کے لیے نکلے تھے۔ حدیث میں تصحیف ہو گئی ہے۔ اس کی توجیح یہ ہے کہ غزوہ حنین، غزوہ الفتح (فتح مکہ) کے فوراً بعد ہوا تھا اور غزوہ الفتح میں آپ ؐ رمضان میں نکلے تھے۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد1 صفحہ 517)

❁ متعارض و متناقض روایات میں جمع و تطبیق:

علامہ قسطلانی نے گہرے تفکر و تدبر اور تحقیق و جستجو کے بعد اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة میں بہت سے مقامات پر متعارض

ومتناقض روایات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے درمیان مطابقت پیدا کی ہے۔

یوں تو اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِيَّة میں متعارض روایات میں جمع و تطبیق کی کثیر مثالیں موجود ہیں لیکن یہاں ایک مثال کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ علامہ قسطلانی کا متضاد روایات میں جمع و تطبیق کے ضمن میں کیا طرز استدلال ہے۔

امام بخاری اور جمیع اہل مغازی کے نزدیک غزوہ بنو قریظہ کے لیے روانگی کے وقت نبی اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت کی کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچ کر پڑھیں گے۔ لیکن راستے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہؓ نے عصر کی نماز راستے میں پڑھ لی اور بعض نے نبی اکرمؐ کے فرمان کے پیش نظر نہیں پڑھی کہ بنو قریظہ پہنچ کر پڑھیں گے۔(صحیح بخاری کتاب المغازی، طبقات ابن سعد، طبری)

امام مسلم کے نزدیک یہ ظہر کی نماز تھی۔

علامہ قسطلانی نے بخاری و مسلم کی روایات میں موجود تضاد کو رفع کرتے ہوئے لکھا ہے:

ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے ظہر کی نماز پڑھ لی ہو اور بعض نے نہ پڑھی ہو۔ جن صحابہ کرامؓ نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی ان سے کہا ہو کہ وہ ظہر کی نماز نہ پڑھیں اور جن صحابہ کرامؓ نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی انہیں عصر کی نماز نہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ (اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِيَّة جلد1 صفحہ 462)

❁ شواہد حدیث:

علامہ قسطلانی نے موضوع اور ضعیف احادیث کی نشاندہی اور تردید کے علاوہ ضعیف احادیث کو دیگر احادیث سے تقویت بھی دی ہے۔ مصنف نے اس کے لئے ''شاہد'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یعنی یہ حدیث کمزور حدیث کی شاہد ہے۔ گویا ضعیف حدیث کی تائید صحیح وضعیف دونوں احادیث سے کرتے ہیں۔ علامہ قسطلانی کے اس طرز استدلال کی مثال درج ذیل ہے: آپ کا قول ہے:

الْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ، وَالتَّوَدُّدُ إِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ، وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ۔(علل الحدیث، جلد2 صفحہ 284)

ترجمہ: خرچ میں اعتدال نصف معیشت ہے۔ لوگوں سے محبت کرنا نصف عقل ہے اور حسن سوال نصف علم ہے۔

یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان اور قضائی نے مسند الشہاب میں نقل کی ہے۔ علامہ بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن اس حدیث کی شاہد دوسری حدیث ہے۔ جسے عسکری نے ''الامثال'' میں روایت کیا ہے:

الْاِقْتِصَادُ نِصْفُ الْعَيْشِ، وَحُسْنُ خُلُقٍ نِصْفُ الدِّيْنِ (کشف الخفاء، جلد1 صفحہ 158)

ترجمہ: میانہ روی نصف معیشت ہے اور لوگوں سے اچھا سلوک کرنا نصف دین ہے۔

اس حدیث کے دیگر شواہد میں سے یہ حدیث بھی ہے:

السُّؤَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ، وَالرِّفْقُ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ، وَمَا عَالَ امْرُؤٌ فِي اقْتِصَادٍ۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد2 صفحہ 256)

ترجمہ: سوال نصف علم ہے اور نرمی نصف معیشت ہے اور میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی تنگ دست نہیں ہوا۔

❁ کثرت طرق کی بناء پر حدیث کی صحت:

بعض محدثین کا اصول ہے کہ اگر کسی ضعیف حدیث کے متعدد طرق ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ کثرت طرق سے کمزور حدیث صحت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ المواہب اللدنیہ میں اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں واقعہ غرانیق مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نماز میں سورۃ النجم کی قرأت کر رہے تھے۔ جب آپؐ اس آیت پر پہنچے أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى۔(النجم:20، 21) ترجمہ: پس کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسری منات کو بھی (جو ان کے)علاوہ ہے۔ شیطان نے آپ کی تلاوت کے ساتھ یہ الفاظ ملا دیئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَى۔ ترجمہ: یقیناً یہ بلند مقام پر فائز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ جب آپؐ نے سورۃ ختم کی اور سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ آپ ان کے معبودوں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کر رہے ہیں اور یہ بات لوگوں میں پھیل گئی۔

یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔ مؤلف نے وہ تمام طرق نقل کیے ہیں۔ اس واقعہ کو امام فخر الدین رازی، قاضی عیاض، ابن حجر اور دیگر کئی علماء اور محققین نے باطل اور موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ قسطلانی نے اس حدیث کے تمام طرق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

فَإِنَّ الطُّرُقَ إِذَا كَثُرَتْ وَتَبَايَنَتْ مَخَارِجُهَا دَلَّ ذٰلِكَ عَلَى أَنَّ لَهَا أَصْلًا۔(اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة، جلد1 صفحہ 256)

ترجمہ: جب کسی روایت کے طرق کثرت سے ہوں اور اس کے مخارج بھی واضح ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس واقعہ کی اصلیت ہے۔

روایات کے ماخذ و اسناد کا التزام:

متقدمین میں سے چار کتب تاریخی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح کے لئے اصل مأخذ سمجھی گئی ہیں۔ اعنی اول سیرۃ ابن ہشام جو سیرۃ ابن اسحاق سے ماخوذ ہے۔ دوسرے طبقات ابن سعد۔ تیسرے طبری اور چوتھے واقدی۔ اس دور کے سیرت نگاروں نے اپنی سیرت نبوی میں اسناد کی پابندی کی ہے۔ بعد کے تمام ادوار میں لکھی جانے والی کتب سیرت کا سرچشمہ یہی چار کتابیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعد کے سیرت نگاروں نے بغیر اسناد کے ان کی کتب سیرت سے مواد اخذ کیا۔ علامہ قسطلانی نے اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة میں بہت زیادہ مصادر و مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔ یہ مصادر و مآخذ حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ، تصوف کی کتابوں کے مجموعوں پر مشتمل ہیں۔ مصنف نے ان تمام مصادر و مأخذ سے بکثرت روایات لی ہیں اگر وہ ہر روایت کی سند نقل کرتے تو ان کی کتاب بہت ضخیم ہو جاتی۔ اختصار کی غرض سے انہوں نے اسناد تو نقل نہیں کیں لیکن روایات کے مأخذ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة'' میں کہیں کہیں پوری سند کا ذکر ملتا ہے۔ مصنف نے اگر پوری سند نقل کی بھی ہے تو صرف ان احادیث و روایات کی جن کی اسناد میں ضعف پایا جاتا ہے یا جو موضوع اور ضعیف احادیث ہیں۔ صحیح احادیث و روایات کی اسناد درج نہیں کیں مثلاً گٹھلیوں، کنکریوں یا شاخوں پر گن کر تسبیح کرنے کے متعلق روایات بیان کر کے آخر میں یہ محاکمہ کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ حدیث عوام الناس میں مشہور ہے تاہم اس کی ایک ہی سند ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة جلد2 صفحہ 531)

راویوں کی جرح و تعدیل:

علامہ قسطلانی نے ''اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة'' میں موضوع وضعیف احادیث کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ان احادیث کے راویوں کی جانچ پڑتال بھی کی ہے۔ جب کوئی ضعیف یا موضوع حدیث نقل کرتے ہیں تو ساتھ یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں ضعف اس وجہ سے آیا ہے کہ اس کی سند کا ایک راوی متروک ہے۔ مثلاً

بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اذان ہجرت سے قبل مکہ میں شروع ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک حدیث امام طبرانی نے نقل کی ہے: حضرت سالم بن عبد اللہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسراء ہوا

تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپؐ کو اذان کی وحی کی پھر آپؐ نے وہ اذان حضرت بلالؓ کو سکھائی۔ (المعجم الاوسط، جلد1 روایت 9247)

مصنف کے مطابق اس حدیث کی سند میں طلحہ بن زید راوی متروک ہے۔ (اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ، جلد1 صفحہ 326)

خلاصہ بحث:

علامہ قسطلانیؒ کا شمار دسویں صدی ہجری کے عظیم سیرت نگاروں میں ہوتا ہے۔ اس دور کی تمام کتب سیرت میں سے ان کی کتاب اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محدثین اور اہل سیر کی روایات کا حسین امتزاج ہے۔ چنانچہ انہوں نے اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ کی تالیف میں اس تحقیقی طریق کو اختیار کرتے ہوئے روایات کی ترجیح وتردید میں خاص معیار کو مد نظر رکھا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے ہر واقعہ کے لئے اہل سیر کی روایات کے پہلو بہ پہلو محدثین کی روایات بھی لاتے ہیں اور موازنہ کے بعد صحیح روایت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

علامہ قسطلانی جہاں بعض روایات کو دوسری روایات پر ترجیح دیتے ہیں وہاں بہت سی خلاف قرائن وقیاس روایات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں چنانچہ محدثین اور اہل سیر کی کئی خلاف قرائن روایات کی انہوں نے تردید کی ہے مثلاً غزوہ سیف البحر جو قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجا گیا تھا اس کی تاریخ ابن سعد نے آٹھ ہجری بتائی ہے۔ علامہ قسطلانی کے مطابق یہ قول محل نظر ہے اس لیے کہ اس مدت (8 ہجری) کے دوران قریشی قافلوں کو لوٹنا ممکن تھا۔ کیونکہ وہ حالت صلح میں تھے۔ پس صحیح یہ ہے کہ یہ غزوہ 6 ہجری یا اس سے قبل کا ہے۔ (اَلْمَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ جلد1 صفحہ 556)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل سے متعلق روایت میں حضرت عائشہؓ کی روایت کو ابن عباسؓ کی روایت پر اس لئے ترجیح دی ہے کہ حضرت عائشہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات سے دیگر صحابہ کرام کی نسبت زیادہ واقف تھیں۔ لیکن سفر کے احوال سے چونکہ صحابہؓ زیادہ آگاہ تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے ابن عمرؓ کی روایت کو حضرت عائشہؓ کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ مصنف نے ان روایات کو جن سے مسئلے کا مثبت پہلو نکلتا تھا، منفی پہلو والی روایات پر مقدم رکھا ہے۔ روایت کی ترجیح وتردید کے علاوہ مؤلف نے موضوع وباطل احادیث کی نشاندہی اور ان کی تردید اور اسی طرح ضعیف احادیث پر تنقید بھی کی ہے۔ متعارض ومتناقض روایات میں جمع وتطبیق، کثرت طرق کی بناء پر حدیث کی تقویت کے علاوہ راویوں کی جرح وتعدیل بھی کی ہے۔ ان قوانین سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ قسطلانی محض سیرت نگار ہی نہیں بلکہ اعلیٰ پایہ

کے محدث بھی تھے۔

اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّة کی شروحات:

علامہ قسطلانی کی کتاب المواہب اللدنیہ کی سب سے مشہور شرح علامہ زرقانی نے "زرقانی شرح علی مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ" کے نام سے لکھی جو اصل کتاب سے زیادہ مشہور ہو گئی۔

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

خاتم المحدثین علامہ محمد بن عبد الباقي الزرقانی مالکیؒ المتوفی 1122ھ نے مواہب اللدنیہ کی چار جلدوں میں ایک جامع شرح لکھی ہے شارح نے اپنی شرح میں حضور اکرم ﷺ کے شمائل مبارک سیرت پاک اور صفات کریمہ سے متعلق احادیث مبارک کا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

اس طرح شیخ ابو الفساء علی بن علی شبر املسی المتوفی 1087 ھ نے بھی المواہب اللدنیہ کی پانچ جلدوں میں شرح لکھی ہے۔(کشف الظنون جلد2 صفحہ 1897)

کتابیات

خاکسار نے اس مضمون کی تیاری کے سلسلہ میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا۔

المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، مکتب الاسلامی طبع ثانیہ 2004ء

المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه مترجم، از علامہ محمد صدیق ہزاروی، رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور 2011ء

كشف الظنون عن اسماء الكتب والفنون از مصطفیٰ بن عبد اللہ

توفيقات الاهامية فى مقارنة التواريخ از محمد مختار پاشا

اسد الغابة فى معرفة الصحابه از ابن حزم، طبقات الكبرىٰ از محمد بن سعد بغدادی

الكواكب السائرة بأعيان مئة العاشرة طبقة الاولىٰ، سیرت النبی لابن ہشام

کتاب المغازی، از محمد بن عمر الواقدی، سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی

مسند احمد بن حنبل، جلد 10 ، صحیح بخاری، سنن ابو داؤد

فتح الباری، شرح صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل

علل الحدیث، المعجم الاوسط

تعارف کتاب "براہین احمدیہ حصہ اول"

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔"

("ملفوظات" حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 8 صفحہ 8 ایڈیشن 1984ء)

براہین احمدیہ حصہ اول

(اے۔ ولیم)

تعارف:

براہین احمدیہ کی اشاعت کی باقاعدہ تیاری 1878ء میں شروع ہوئی۔ جیسا کہ لائف آف احمد کے مصنف اپنی انگریزی تصنیف کے صفحہ 71 کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"Ahmad had arranged with Rajab Ali in 1878 to have the book printed at his press, the Safeer Hind, Amritsar."

پہلا دوسرا اور تیسرا حصہ غالباً 700 کی تعداد میں شائع ہوا۔ اور چوتھا حصہ ایک ہزار کی تعداد میں شائع کرنے کا ارادہ تھا۔ جیسا کہ حضرت اقدسؑ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"کتاب سات سو جلد چھپی ہے۔ لیکن اب میں نے تجویز کی ہے کہ ہزار جلد چھپے تو بہتر۔"

(مکتوبات احمدؑ جلد اول ص 538 مکتوب بنام میر عباس علی صاحب مکتوب نمبر 20 مرقومہ 21 جون 1883ء)

براہین احمدیہ حصہ چہارم دو طرح کے کاغذ پر طبع ہوئی۔ کچھ حنائی کاغذ پر اور کچھ سفید کاغذ پر۔

(مکتوبات احمدؑ جلد دوم ص 476 مکتوب بنام منشی رستم علی صاحب مکتوب نمبر 30 مرقومہ 11 مارچ 1886ء)

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید پہلے حصص بھی ایسے ہی طبع ہوئے ہوں۔

بہر حال براہین احمدیہ کا پہلا حصہ جو کہ 82صفحات پر مشتمل تھا 1880ء میں اوردوسرا حصہ جو کہ 56صفحات (ایڈیشن اول) پر مشتمل تھا وہ بھی 1880ء میں شائع ہوا اور اسکا تیسرا حصہ 1882ء میں شائع ہوا جو کہ 150صفحات پر مشتمل تھا۔اور چوتھا حصہ 1884ء میں شائع ہوا جو کہ 390کے قریب صفحات پر مشتمل تھا۔

صفحات کی تعداد کے بارہ میں یہ واضح ہو کہ ایڈیشن اول کے براہین احمدیہ کے صفحات کی تعداد 562ہے جو کہ موجودہ روحانی خزائن کے صفحات کے حاشیہ پر لکھے ہوئے ہیں۔البتہ ان کے علاوہ بھی کچھ صفحات اس کے اندر ہیں جو کہ تعداد میں28کے قریب ہیں اور یوں580صفحات بن جاتے ہیں جو کہ روحانی خزائن کی جلد اول کے کل673صفحات ہیں۔

بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایڈیشن جلد ہی ختم ہو گیا تھا اور پھر ایک دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا۔جو کہ 1900ء میں شائع ہوا اور تیسرا ایڈیشن 1905ء میں شائع ہوا۔ (براہین احمدیہ، رخ جلد1ص134ح)

براہین احمدؑیہ کا سن اشاعت 1880ء ہے جیسا کہ براہین احمدؑیہ کے ٹائٹل پیج پر درج شعر ہے جو کہ اس کی تاریخ اشاعت کو بھی معین کرتا ہے۔وہ شعر یہ ہے:

کیا خوب ہے یہ کتاب سبحان اللہ   اک دم میں کرے ہے دین حق سے آگاہ
ازبس کہ یہ مغفرت کی بتلاتی ہے راہ   تاریخ بھی یاغفور نکلی واہ واہ

اور یاغفور کے اعداد ابجد کے حساب سے 1297بنتے ہیں:

[ی:10 +الف:1 +غ:1000 +ف:80 +و:6 +ر:200=1297]

اور1297سن ہجری ہے جو کہ 1880ء بنتا ہے۔بہر حال براہین احمدؑیہ کا پہلا اوردوسرا حصہ 1880ء میں شائع ہوا۔پہلا حصہ اندازاًجولائی 1880ء اور دوسرا حصہ اندازاًدسمبر 1880ء تک، تیسرا حصہ 1882ء اور چوتھا حصہ 1884ء میں شائع ہوا۔

حصہ اول کے مضامین کا خلاصہ اور مختصر تعارف:

سب سے پہلے ”اعلان“ اور”کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور دیگر ضروری گزارش“کے عنوان سے آپ نے تفصیل سے کتاب کی قیمت اور لاگت کی بابت بتایا ہے کہ اتنی عمدہ کتابت کے ساتھ اوراتنی ضخامت پر مشتمل کتاب جو کہ 100جزء سے زیادہ ہو گی۔اس پر لاگت تو25روپے فی جلد تھی لیکن قیمت صرف 5روپے رکھی گئی تھی کہ کتاب عام مسلمانوں تک پہنچ جائے اور ہندوستان کے نواب اور رؤساء اور امراء اسلام جو کہ لکھ پتی بلکہ کروڑپتی بھی تھے ان کی اعانت

سے کتاب کی لاگت پوری ہو جائے گی۔ اور آپ نے کتاب کی نئی قیمت 10 روپے مقرر فرمائی۔

اسی جگہ آپؑ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ ابھی تک تو یہ امید بر نہیں آئی کہ امراء میں سے کوئی صاحب عزم و ہمت آگے آئے اور اس کارِ خیر میں ایسا نمایاں حصہ لے جیسا حضورؑ کا منشائے مبارک ہے۔

بجز عالی جناب حضرت خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم و دستور معظم ریاست پٹیالہ پنجاب کہ جنہوں نے مسکین طالب علموں کو تقسیم کرنے کیلئے پچاس جلدیں اس کتاب کی خریدیں اور جو قیمت بذریعہ اشتہار شائع ہو چکی تھی وہ سب بھیج دی اور نیز فراہمی خریداروں میں بڑی مدد فرمائی اور کئی طرح سے اور بھی مدد دینے کا وعدہ فرمایا (خدا ان کو اس فعل خیر کا ثواب دے اور اجر عظیم بخشے)

پھر آپ نے کچھ امراء کے نام درج کر کے ان کو اس کارِ خیر میں حصہ لینے کی طرف توجہ دلائی۔

آپؑ نے ایک اعلان بھی شائع فرمایا جس میں کتاب کی تاخیر کا باعث مہتمم مطبع کی علالت کو قرار دیتے ہوئے لکھا:
”یہ کتاب اب تک قریب نصف کے چھپ چکتی مگر بباعث علالت طبع مہتمم صاحب سفیر ہند امرتسر پنجاب کہ جن کے مطبع میں یہ کتاب چھپ رہی ہے اور نیز کئی اور طرح کی مجبوریوں سے جو اتفاقاً ان کو پیش آگئیں سات آٹھ مہینے کی دیر ہو گئی اب انشاء اللہ آئندہ کبھی ایسی توقف نہیں ہو گی۔“

پھر آپؑ نے ان خوش نصیب افراد کے نام لکھے جنہوں نے کتاب خرید کر اس اعانت اسلام کے عظیم کار خیر میں حصہ لیا۔ اور خدا کے مامور و مرسل نے ان سنہری حروف میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: ”میں ان صاحبوں کی اعانتوں سے ایسا ممنون ہوں کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ جن سے میں ان کا شکر ادا کر سکوں بالخصوص جب میں دیکھتا ہوں کہ بعض صاحبوں نے اس کار خیر کی تائید میں بڑھ بڑھ کے قدم رکھے ہیں اور بعض نے زائد اعانتوں کے لئے اور بھی مواعید فرمائے ہیں تو یہ میری ممنونی اور احسان مندی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ میں نے اسی تقریر کے ذیل میں اسماء مبارک ان تمام مردان اہل ہمت اور اولی العزم کے کہ جنہوں نے خریداری اور اعانت طبع اس کتاب میں کچھ کچھ عنایت فرمایا مع رقوم عنایت شدہ ان کی کے زیب تحریر کئے ہیں اور ایسا ہی آئندہ بھی تا اختتام طبع کتاب عملدرآمد رہے گا کہ **تاجب تک صفحۂ روزگار میں نقش افادہ اور افاضہ اس کتاب کا باقی رہے ہر یک مستفیض کہ جس کا اس کتاب سے وقت خوش ہو مجھ کو اور میرے معاونین کو دعائے خیر سے یاد کرے۔**“

اس کتاب کی اہمیت و عظمت وافادیت کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ نے تحریر فرمایا: ”اے بزرگان و چراغانِ اسلام! آپ سب صاحب خوب جانتے ہوں گے کہ آج کل اشاعت دلائل حقیت اسلام کی نہایت ضرورت ہے اور تعلیم دینا اور

سکھلانا براہین ثبوت اس دین متین کا اپنی اولاد اور عزیزوں کو ایسا فرض اور واجب ہو گیا ہے اور ایسا واضح الوجوب ہے کہ جس میں کسی قدر ایما کی بھی حاجت نہیں جس قدر ان دنوں میں لوگوں کے عقائد میں برہمی درہمی ہو رہی ہے اور خیالات اکثر طبائع کے حالت خرابی اور ابتری میں پڑے ہوئے ہیں کسی پر پوشیدہ نہ ہو گا کیا کیا رائیں ہیں جو نکل رہی ہیں کیا کیا ہوائیں ہیں جو چل رہی ہیں۔ کیا کیا بخارات ہیں جو اٹھ رہے ہیں پس جن جن صاحبوں کو ان اندھیریوں سے جو بڑے بڑے درختوں کو جڑھ سے اُکھیڑتی جاتی ہیں کچھ خبر ہے وہ خوب سمجھتے ہوں گے جو تالیف اس کتاب کی بلا خاص ضرورت کے نہیں۔ ہر زمانہ کے باطل اعتقادات اور فاسد خیالات الگ رنگوں اور وضعوں میں ظہور پکڑتے ہیں اور خدا نے ان کے ابطال اور ازالہ کے لئے یہی علاج رکھا ہوا ہے جو اسی زمانہ میں ایسی تالیفات مہیا کر دیتا ہے جو اُس کی پاک کلام سے روشنی پکڑ کر پوری پوری قوت سے ان خیالات کی مدافعت کے لئے کھڑی ہو جاتی ہیں اور معاندین کو اپنی لاجواب براہین سے ساکت اور ملزم کرتی ہیں پس ایسے انتظام سے پودہ اسلام کا ہمیشہ سر سبز اور تروتازہ اور شاداب رہتا ہے۔ اے معزز بزرگان اسلام! مجھے اس بات پر یقین کلی ہے کہ آپ سب صاحبان پہلے سے اپنے ذاتی تجربہ اور عام واقفیت سے ان خرابیوں موجودہ زمانہ پر کہ جن کا بیان کرنا ایک درد انگیز قصہ ہے بخوبی اطلاع رکھتے ہوں گے اور جو جو فساد طبائع میں واقعہ ہو رہے ہیں اور جس طرح پر لوگ بباعث اغوا اور اضلال وسوسہ اندازوں کے بگڑتے جاتے ہیں آپ پر پوشیدہ نہ ہو گا پس یہ سارے نتیجے اسی بات کے ہیں کہ اکثر لوگ دلائل حقیت اسلام سے بے خبر ہیں اور اگر کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں تو ایسے مکاتب اور مدارس میں کہ جہاں علوم دینیہ بالکل سکھائے نہیں جاتے اور سارا عمدہ زمانہ ان کے فہم اور ادارک اور تفکر اور تدبر کا اور اور علوم اور فنون میں کھویا جاتا ہے اور کوچۂ دین سے محض ناآشنا رہتے ہیں پس اگر ان کو دلائل حقیت اسلام سے جلد تر باخبر نہ کیا جائے تو آخر کار ایسے لوگ یا تو محض دنیا کے کیڑے ہو جاتے ہیں کہ جن کو دین کی کچھ بھی پروا نہیں رہتی اور یا الحاد اور ارتداد کا لباس پہن لیتے ہیں یہ قول میرا محض قیاسی بات نہیں بڑے بڑے شرفا کے بیٹے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں جو بباعث بے خبری دینی کے اصطباغ پائے ہوئے گرجا گھروں میں بیٹھے ہیں اگر فضل عظیم پروردگار کا ناصر اور حامی اسلام کا نہ ہوتا اور وہ بذریعہ پرزور تقریرات اور تحریرات علماء اور فضلاء کے اپنے اس سچے دین کی نگہداشت نہ کرتا تو تھوڑا زمانہ نہ گزرنا پاتا جو دنیا پرست لوگوں کو اتنی خبر بھی نہ رہتی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس ملک میں پیدا ہوئے تھے بالخصوص اس پر آشوب زمانہ میں کہ چاروں طرف خیالات فاسدہ کی کثرت پائی جاتی ہے اگر محققان دین اسلام جو بڑی مردی اور مضبوطی سے ہریک منکر اور ملحد کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ کر رہے ہیں اپنی اس خدمت اور چاکری سے خاموش رہیں تو تھوڑی ہی مدت میں اس قدر شعار اسلام کا ناپدید ہو جائے کہ بجائے سلام مسنون کے گڈ بائی اور گڈ مارننگ کی آواز سنی جائے پس ایسے وقت میں دلائل حقیت اسلام کی

اشاعت میں بدِل مشغول رہنا حقیقت میں اپنی ہی اولاد اور اپنی ہی نسل پر رحم کرنا ہے کیونکہ جب وبا کے ایام میں زہرناک ہوا چلتی ہے تو اس کی تاثیر سے ہر یک کو خطرہ ہوتا ہے۔“

دیگر کتب کی موجودگی میں اس کتاب کی ضرورت واہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:”شاید بعض صاحبوں کے دل میں اس کتاب کی نسبت یہ وسوسہ گزرے کہ جو اب تک کتابیں مناظرات مذہبی میں تصنیف ہو چکی ہیں کیا وہ الزام اور افحام مخاصمین کے لئے کافی نہیں ہیں کہ اس کی حاجت ہے لہذا میں اس بات کو بخوبی منقوش خاطر کر دینا چاہتا ہوں جو اس کتاب اور ان کتابوں کے فوائد میں بڑا ہی فرق ہے وہ کتابیں خاص خاص فرقوں کے مقابلہ پر بنائی گئی ہیں اور ان کی وجوہات اور دلائل وہاں تک ہی محدود ہیں جو اس فرقہ خاص کے ملزم کرنے کے لئے کفایت کرتی ہیں اور گو وہ کتابیں کیسی ہی عمدہ اور لطیف ہوں مگر ان سے وہی خاص قوم فائدہ اٹھا سکتی ہے کہ جن کے مقابلہ پر وہ تالیف پائی ہیں لیکن یہ کتاب تمام فرقوں کے مقابلہ پر حقیت اسلام اور سچائی عقائد اسلام کی ثابت کرتی ہے اور عام تحقیقات سے حقانیت فرقان مجید کی بپایہ ثبوت پہنچاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو جو حقائق اور دقائق عام تحقیقات میں کھلتے ہیں خاص مباحثات میں انکشاف ان کا ہر گز ممکن نہیں کسی خاص قوم کے ساتھ جو شخص مناظرہ کرتا ہے اس کو ایسی حاجتیں کہاں پڑتی ہیں کہ جن امور کو اس قوم نے تسلیم کیا ہوا ہے ان کو بھی اپنی عمیق اور مستحکم تحقیقات سے ثابت کرے بلکہ خاص مباحثات میں اکثر الزامی جوابات سے کام نکالا جاتا ہے اور دلائل معقولہ کی طرف نہایت ہی کم توجہ ہوتی ہے اور خاص بحثوں کا کچھ مقتضا ہی ایسا ہوتا ہے جو فلسفی طور پر تحقیقات کرنے کی حاجت نہیں پڑتی اور پوری دلائل کا تو ذکر ہی کیا ہے بستم حصہ دلائل عقلیہ کا بھی اندراج نہیں پاتا مثلاً جب ہم ایسے شخص سے بحث کرتے ہیں جو وجود صانع عالم کا قائل ہے الہام کا مقر ہے خالقیت باری تعالیٰ کو مانتا ہے تو پھر ہم کو کیا ضرور ہوگا جو دلائل عقلیہ سے اس کے روبرو اثبات وجود صانع کریں یا ضرورت الہام کی وجوہ دکھلاویں یا خالقیت باری تعالیٰ پر دلائل لکھیں بلکہ بالکل بیہودہ ہوگا کہ جس بات کا کچھ تنازع ہی نہیں اس کا جھگڑا لے بیٹھیں مگر جس شخص کو مختلف عقائد مختلف عندیات مختلف عذرات مختلف شبہات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس کی تحقیقاتوں میں کسی قسم کی فروگذاشت باقی نہیں رہتی۔ علاوہ اس کے جو خاص قوم کے مقابلہ پر کچھ لکھا جاتا ہے وہ اکثر اس قسم کی دلائل ہوتی ہیں جو دوسری قوم پر حجت نہیں ہو سکتیں مثلاً جب ہم بائبل شریف سے چند پیشین گوئی نکال کر صدقِ نبوت حضرت خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ ان کے ثابت کریں تو گو ہم اُس ثبوت سے عیسائیوں اور یہودیوں کو ملزم کر دیں مگر جب ہم وہ ثبوت کسی ہندو یا مجوسی یا فلسفی یا برہمو سماجی کے روبرو پیش کریں گے تو وہ یہی کہے گا کہ جس حالت میں مَیں ان کتابوں کو ہی نہیں مانتا تو پھر ایسا ثبوت جو انہیں سے لیا گیا ہے کیونکر مان لوں۔ اسی طرح جو بات مفید مطلب ہم وید سے نکال کر عیسائیوں کے سامنے پیش کریں

گے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے پس بہر حال ایسی کتاب کی اشد ضرورت تھی کہ جو ہر ایک فرقہ کے مقابلہ پر سچائی اور حقیت اسلام کی دلائل عقلیہ سے ثابت کرے کہ جن کے ماننے سے کسی انسان کو چارہ نہیں۔ سو الحمدللہ کہ ان تمام مقاصد کے پورا کرنے کے لئے یہ کتاب طیار ہوئی دوسری اس کتاب میں یہ بھی خوبی ہے جو اس میں معاندین کے بیجا عذرات رفع کرنے کے لئے اور اپنی حجت ان پر پوری کرنے کے لئے خوب بندوبست کیا گیا ہے یعنی ایک اشتہار تعدادی دس ہزار روپیہ کا اسی غرض سے اس میں داخل کیا گیا ہے کہ تا منکرین کو کوئی عذر اور حیلہ باقی نہ رہے اور یہ اشتہار مخالفین پر ایک ایسا بڑا بوجھ ہے کہ جس سے سبکدوشی حاصل کرنا قیامت تک ان کو نصیب نہیں ہو سکتا اور نیز یہ ان کی منکرانہ زندگی کو ایسا تلخ کرتا ہے جو انہیں کا جی جانتا ہو گا۔ غرض یہ کتاب نہایت ہی ضروری اور حق کے طالبوں کے لئے نہایت ہی مبارک ہے کہ جس سے حقیت اسلام کی مثل آفتاب کے واضح اور نمایاں اور روشن ہوتی ہے اور شان اور شوکت اُس مقدس کتاب کی کھلتی ہے کہ جس کے ساتھ عزت اور عظمت اور صداقت اسلام کی وابستہ ہے۔“

شکر خداوندی اور رسول پاک صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر درود بھیجتے ہوئے عربی عبارت میں ایک مختصر تحریر ہے۔

فارسی منظوم حمدیہ کلام ہے۔ جس کا پہلا شعر ہے:

ہر دم از کاخِ عالم آواز یست　　　که یکش بانی و بناساز یست

اور اس کے آخری کچھ اشعار کتنے عجیب درد سے پُر ہیں:

اے خداوندِ من گناہم بخش　　　سوئے درگاہِ خویش راہم بخش

روشنی بخش در دل و جانم　　　پاک کُن از گناہِ پنہانم

دلستانی و دلربائی کن　　　بہ نگاہے گرہ کشائی کن

در دو عالم مرا عزیز توئی　　　و آنچہ میخواہم از تو نیز توئی

پھر اس میں یہ مسجع و مقفع لیکن سادہ و سلیس اردو عبارت ایک ادبی شہ پارہ ہی تو ہے۔ آپؑ رقم فرماتے ہیں: ”لاکھ لاکھ حمد اور تعریف اس قادر مطلق کی ذات کے لائق ہے کہ جس نے ساری ارواح اور اجسام بغیر کسی مادہ اور ہیولیٰ کے اپنے ہی حکم اور امر سے پیدا کر کے اپنی قدرت عظیمہ کا نمونہ دکھلایا اور تمام نفوس قدسیہ انبیا کو بغیر کسی استاد اور اتالیق کے آپ ہی تعلیم اور تادیب فرما کر اپنے فیوض قدیمہ کا نشان ظاہر فرمایا سبحان اللہ کیا رحمٰن اور منان وہ ذات ہے کہ جس نے بغیر کسی استحقاق ہمارے کے سب کام ہم ضعیفوں کا آپ بنایا ہمارے جسمی قیام کے لئے سورج اور چاند اور بادلوں اور ہواؤں کو کام

میں لگایا اور ہمارے روحانی انتظام کے لئے توریت اور انجیل اور فرقان اور سب آسمانی کتابوں کو عین وقتوں پر پہنچایا۔ الٰہی تیرا ہزار ہزار شکر کہ تو نے ہم کو اپنی پہچان کا آپ راہ بتایا اور اپنی پاک کتابوں کو نازل کر کے فکر اور عقل کی غلطیوں اور خطاؤں سے بچایا اور درود اور سلام حضرت سید الرسل محمد مصطفیٰؐ اور ان کی آل و اصحاب پر کہ جس سے خدا نے ایک عالم گم گشتہ کو سیدھی راہ پر چلایا وہ مربی اور نفع رسان کہ جو بھولی ہوئی خلقت کو پھر راہ راست پر لایا وہ محسن اور صاحب احسان کہ جس نے لوگوں کو شرک اور بتوں کی بلا سے چھوڑایا وہ نور اور نور افشان کہ جس نے توحید کی روشنی کو دنیا میں پھیلایا وہ حکیم اور معالج زمان کہ جس نے بگڑے ہوئے دلوں کا راستی پر قدم جمایا وہ کریم اور کرامت نشان کہ جس نے مردوں کو زندگی کا پانی پلایا وہ رحیم اور مہربان کہ جس نے امت کے لئے غم کھایا اور درد اٹھایا وہ شجاع اور پہلوان جو ہم کو موت کے منہ سے نکال کر لایا وہ حلیم اور بے نفس انسان کہ جس نے بندگی میں سر جھکایا اور اپنی ہستی کو خاک سے ملایا وہ کامل موحد اور بحر عرفان کہ جس کو صرف خدا کا جلال بھایا اور غیر کو اپنی نظر سے گرایا وہ معجزہ قدرت رحمٰن کہ جو اُمّی ہو کر سب پر علوم حقانی میں غالب آیا اور ہر یک قوم کو غلطیوں اور خطاؤں کو ملزم ٹھہرایا۔“

آنحضرت ﷺ کی تعریف و توصیف میں جس عشق میں ڈوب کر یہ نثر لکھی وہ کتنی تیزی سے آپؑ کو اس نعتیہ کلام کی طرف لے گئی۔ جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے:

آنکہ درخوبی ندارد ہمسرے   دردلم جوشد ثنائے سرورے

اس کے بعد کتاب کے آخر پر وہ عظیم الشان شہرۂ آفاق 10 ہزار روپے کا انعامی اشتہار ہے کہ جس میں آپؑ نے فرمایا ہے۔”انعامی دس ہزار روپیہ ان سب لوگوں کے لئے جو مشارکت اپنی کتاب کے فرقان مجید سے ان دلائل اور براہین حقانیہ میں جو فرقان مجید سے ہم نے لکھیں ہیں ثابت کر دکھائیں یا اگر کتاب الہامی اُن کی اُن دلائل کے پیش کرنے سے قطعاً عاجز ہو تو اس عاجز ہونے کا اپنی کتاب میں اقرار کر کے ہمارے ہی دلائل کو نمبروار توڑ دیں۔“

مَوْتُ العالِمِ مَوْتُ العالَم

خلافت کے ایک عظیم معاون اور جید عالم باعمل کا ذکر خیر

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”اب میں جماعت کے ایک بزرگ اور جید عالم خلافت کے فدائی دین کے بے مثل خادم کا اس وقت ذکر کروں گا جن کی گذشتہ دنوں میں وفات ہوئی ہے... مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب کا جو حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے بیٹے تھے۔ یہ گذشتہ دنوں چھیانوے سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ حضرت اماں جان حضرت نصرت جہاں بیگمؓ کے بھتیجے تھے اور حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت مریم صدیقہ صاحبہ کے داماد اور جیسا کہ پہلے بتایا ہے کہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے بیٹے اور آپ کی والدہ کا نام صالحہ بیگم تھا۔ آپ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے پوتے تھے۔ ان کی والدہ کا نام صالحہ تھا جو حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کی بیٹی تھیں جو حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی کے صاحبزادے تھے۔ سید محمود احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کی پھر پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ مارچ 1944ء میں اپنے والد حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی وفات والے دن زندگی وقف کی۔ ان کے بیٹے عزیزم محمد احمد نے بھی مجھے لکھا ہے کہ 17 مارچ کو یہ بڑا اہمیت کا دن کہا کرتے تھے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ اہمیت کا دن کیوں ہے؟ تو انہوں نے کہا اس دن میرے والد کی وفات ہوئی تھی اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا دن ہمارے گھر میں گزارا تھا بلکہ نمازیں بھی وہیں پڑھائی تھیں اور حضرت مصلح موعودؓ نے وہاں ایک مختصر سی تقریر وہاں کی جس میں میر صاحبؓ کی دینی خدمات اور ان کی وقف کی روح اور علمیت وغیرہ کا ذکر کیا۔ میر محمود احمد صاحب کہتے ہیں یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور وہیں حضرت خلیفہ ثانیؓ کو کہا کہ حضور میں وقف کرتا ہوں۔ اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی جذباتی کیفیت ہو گئی۔ آپؓ نے اس کو بڑا سراہا۔ اس وقت سید میر محمود احمد صاحب کی عمر چودہ سال تھی اور پھر اس وعدے کو ایسا نبھایا کہ اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

جماعتی خدمات یوں ہیں۔ 1954ء تا 1957ء آپ یہاں انگلستان میں تھے جہاں آپ نے بطور مبلغ کام کیا اور اسی دوران SOAS (سکول آف اور ینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز) میں حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر تعلیم بھی حاصل کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی اکٹھے دونوں پڑھتے تھے۔ کچھ عرصہ لندن مشن کے سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ 1957ء سے 1959ء تک وکالت دیوان میں بطور ریزرو مبلغ رہے۔ پھر 1960ء میں جامعہ میں بطور استاد مقرر ہوئے۔ 1978ء تک یہ فرائض انجام دیئے۔ 78ء سے 82ء تک امریکہ میں مبلغ رہے۔ 82ء سے 86ء تک سپین میں خدمت کی توفیق ملی۔ 86ء سے 89ء تک بطور وکیل التصنیف کام کیا۔ 86ء سے 2010ء تک جامعہ احمدیہ ربوہ کے پرنسپل کے طور پر خدمت کی۔ اس دوران 94ء تا جولائی 2001ء وکیل التعلیم بھی رہے۔ اسی طرح ریسرچ سیل کے انچارج تھے، واقعہ صلیب سیل کے انچارج تھے۔ 2005ء میں نور فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آیا تو اس کے صدر مقرر ہوئے اور آخر تک اسی خدمت پر مامور تھے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تین جون 1962ء کو مجلس افتاء کا ممبر مقرر فرمایا اور نومبر 1972ء تک آپ اس کے ممبر رہے۔ اس کے بعد دسمبر 1989ء میں دوبارہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان کو افتاء کا ممبر مقرر فرمایا اور تاحیات اس پر قائم رہے۔ خدام الاحمدیہ میں بھی ان کو مختلف حیثیتوں سے بطور مہتمم اور بطور نائب صدر خدمت کی توفیق ملی۔ علمی میدان میں بھی ان کی بڑی وسیع خدمات ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا جو ترجمہ قرآن کریم ہے اس کی تیاری میں بھی انہوں نے کافی معاونت کی جس کا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے اور اظہار تشکر فرمایا ہے اور ربوہ کے معاونین کا ذکر کرتے ہوئے جن میں صوفی بشارت الرحمٰن صاحب، مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب، سید عبدالحیٔ صاحب، مولانا دوست محمد صاحب، جمیل الرحمٰن رفیق صاحب وغیرہ کو خدمت کی توفیق ملی۔ آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میر محمود احمد صاحب بھی ان میں شامل تھے اور اللہ کے فضل سے یہ لوگ مسلسل میرے ساتھ شامل رہے اور آپؒ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

(ماخوذ از ترجمہ قرآن کریم از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، اظہار تشکر)

صحاح ستہ کا مکمل اردو ترجمہ کرنے کے بعد مسند احمد بن حنبل کا ترجمہ جاری تھا۔ اسی طرح صحیح مسلم کی شرح بھی جاری تھی۔ شمائل ترمذی کا ترجمہ بھی انہوں نے کیا۔ بائبل کے متعلق بیسیوں علمی مقالہ جات تحریر کئے جو مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئے۔ بائبل میں سے استثناء اور اناجیل میں سے تین کی تفسیر لکھی۔ اسی طرح کفن مسیح، مرہم عیسیٰ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ہجرت کے متعلق بہت اعلیٰ پائے کے تحقیقی کام کئے۔ اس وقت ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب

اور مواد یہ ہے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن اس کے تین حصے ہیں۔ایک ہے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں۔ اسی طرح ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے تین سو پینسٹھ دن۔ نماز کے بعد روزانہ درس کے لئے انتخاب ہے۔ پھر ایک ہے فلسطین سے کشمیر تک۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی رو سے سیرت النبی انہوں نے اس کا مواد اکٹھا کیا ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ صحیح بخاری سے انتخاب کیا یہ بعض تربیتی عناوین ہیں۔اسی طرح جب ایک دفعہ پرانے پوپ نے سوال اٹھا دیا تھا اس کا بھی انہوں نے ردّ کیا۔ مسجد بشارت سپین کے سنگ بنیاد کے موقع پر جس بنیادی پتھر پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے دعا کروائی تھی وہ پتھر حضرت محترم میر صاحب نے اٹھایا ہوا تھا۔اسی طرح مسجد بشارت سپین کے افتتاح کے موقع پر بھی ان کو اور ان کی اہلیہ کو خدمت کا موقع ملا جس کا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ذکر بھی فرمایا تھا۔(ماخوذ از خطبات طاہر جلد اول صفحہ 139۔ خطبہ بیان فرمودہ 10 ستمبر 1982ء)

1955ء میں جلسہ سالانہ کے افتتاح کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نکاحوں کا اعلان فرمایا تھا یہ آٹھ نکاح تھے۔ ان میں میر محمود احمد صاحب کا نکاح بھی تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی بیٹی امۃ المتین صاحبہ کے ساتھ پڑھا تھا اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا کہ عام طریق کے مطابق تو نکاح 29 دسمبر کو ہوا کرتے تھے مگر ان نکاحوں میں کچھ مستثنیات ہیں ایک تو یہ کہ ایک نکاح میری اپنی لڑکی امۃ المتین کا ہے جو سید میر محمود احمد ابن میر محمد اسحق صاحب سے قرار پایا ہے۔ پھر اس پہ تفصیل بیان کی پھر یہ بھی بیان فرمایا کہ محمود احمد اس وقت لندن میں بی اے میں پڑھ رہے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے خیریت رکھی تو ارادہ ہے کہ اگلے سال مئی میں وہ واپس آجائیں۔ میں اپنے تینوں بچوں کو، آپؓ نے تینوں بچوں کا ذکر کیا پھر خلیفہ ثانیؓ نے ان کے نام لئے محمود احمد کو جو داماد ہے اور داؤد احمد کو جو داماد ہے سید میر داؤد احمد صاحب کا ذکر ہے اور طاہر احمد کو جو ام طاہر مرحومہ کا لڑکا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا ذکر کیا وہاں چھوڑ آیا ہوں تا کہ وہ تعلیم پائیں اور آئندہ سلسلہ کی خدمت کریں۔ ان کو تاکید ہے کہ انگریزی میں لیاقت حاصل کریں۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ اگر انگریزی تعلیم اچھی طرح حاصل ہو جائے تو چونکہ یہ تینوں مولوی فاضل ہیں اور عربی تعلیم بھی ان کی نہایت اعلیٰ ہے اگر انگریزی تعلیم بھی اعلیٰ ہو گئی تو قرآن شریف کا ترجمہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں کر کے وہ سلسلہ کی اشاعت میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ریویو آف ریلیجنز بھی اس بات کا محتاج ہے کہ اس کا کوئی اچھا اور لائق ایڈیٹر ہو اس غرض کے لئے میں اپنے بچوں کو وہاں چھوڑ آیا ہوں گو اس بیماری اور کمزوری میں اتنے اخراجات برداشت کرنا کہ تین بیٹے دو داماد اور ایک بیٹا وہاں پڑھیں مشکل ہے مگر میں نے سمجھا کہ جماعت کی مشکل میری مشکل سے بڑی ہے۔

(ماخوذ از خطبات محمود جلد 3 صفحہ 672 تا 674، فرمودہ 26 دسمبر 1955ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ جماعت کی خاطر ہر قربانی کرنی ہے اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کی اپنا مال وقت اپنے بچوں کو قربان کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے 1982ء میں ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نکاح پڑھایا اس میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی اولاد کا ذکر اور ان کی اولاد کے ذکر کے ضمن میں سید میر محمود احمد صاحب کا ذکر کیا۔ اس میں آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو سنا یعنی حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی دعاؤں کو سنا اور اپنے ساتھ ان کے پیار کو دیکھ کر یعنی حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے پیار کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے تینوں بچوں کو وقف کرنے کی توفیق عطا کی۔ تینوں کی طبیعت ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ ہر انسان ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے لیکن اس چیز میں جہاں تک میں نے غور کیا حضرت خلیفہ ثالثؒ فرماتے ہیں کہ جہاں تک میں نے غور کیا تینوں میں ایک ہی چیز پائی جاتی تھی یعنی جو کچھ خدا نے دیا جتنا دے دیا اس پر انسان کو راضی رہنا ہی نہیں بلکہ خوش رہنا چاہئے صرف راضی نہیں رہنا بلکہ خوشی سے راضی رہنا ہے۔ فرمایا کہ سید میر داؤد احمد صاحب اپنے رنگ کے تھے لیکن یہ چیز ان میں پائی جاتی تھی میر مسعود احمد آجکل کافی عرصہ سے ڈنمارک میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں وہ اپنے رنگ کے ہیں لیکن یہ چیز ان میں بھی پائی جاتی ہے اور ان کے چھوٹے بھائی میر محمود احمد جن کے بچے کے نکاح کا میں اعلان کروں گا وہ اپنے رنگ کے واقف زندگی ہیں لیکن یہ چیز ان ساروں میں common ہیں کہ خوشی سے رہنا اور جو جماعت دے اس کو قبول کرنا اور کسی قسم کا مطالبہ نہ کرنا۔ فرماتے ہیں کہ ان کے باپ کا یہ ورثہ پوری نسل میں آگے چلا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت ماموں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد پر یعنی میر اسحٰق صاحب کی اولاد پر بڑا فضل کیا ہے۔ اس واسطے جماعت کے لئے جو یہ نمونہ بھی قائم ہوا اور جماعت کے سامنے یہ ہر حالت میں ہنستے اور بشاش چہرے بھی آئے جو ہر وقت خدا تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنتے ہوئے اس کی حمد کے ترانے گاتے ہوئے اپنی زندگی کے دن گزارنے والے ہیں۔

(ماخوذ از خطبہ نکاح 10 مئی 1982ء، خطبات ناصر جلد 10 صفحہ 729,728)

پھر آپ نے آگے دعا دی کہ دعا کریں ان کی اگلی نسل بھی ان چیزوں کو حاصل کرنے والی ہو۔

شعر و شاعری سے بھی آپ کو شغف تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر اور کلام محمود کے شعر تو یاد تھے ہی اس کے علاوہ خود بھی نظمیں کہتے تھے۔

پھر ایک دفعہ انہوں نے مربیوں کو جو جامعہ میں آنا چاہتے ہیں لیکن ابھی آئے نہیں اور مربی بننے کی خواہش رکھتے ہیں ایک نصیحت کی اور ایک لائحہ عمل دیا وہ بڑا اچھا لائحہ عمل ہے مربیوں کو بلکہ ہر شخص کو جو جامعہ میں آنا چاہتا ہے اور جو

آچکا ہے ان کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔

پہلی بات یہ لکھی کہ روزانہ صبح تین بجے اٹھ کر وضو کر کے، پاکستان کے وقت کے مطابق تو وہی تہجد کا وقت بنتا ہے کہ تہجد ادا کریں روزانہ پانچ وقت نماز باجماعت مسجد میں جا کر ادا کریں اور وہاں ربوہ میں رہنے والوں کو نصیحت کی کہ مسجد مبارک میں کم از کم ایک نماز ادا کریں۔ پھر روزانہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت کے لئے خلافت کی محبت کے لئے دعا مانگیں۔ پھر پانچویں بات یہ کہ تسبیح درود شریف استغفار کو اپنا شعار بنائیں۔ چھٹی بات یہ کہ حضرت صاحب یا خلیفہ وقت کی خدمت میں محبت اور عقیدت کے جذبات کے ساتھ دعا کی درخواست کرتے ہوئے خط لکھا کریں۔ ساتویں بات یہ کہ اپنے موجودہ فرائض اور ذمہ داریاں احسن طریق پر ادا کریں۔ آٹھویں بات یہ کہ اپنے والدین کی خدمت کریں اور اگر وہ دور ہیں تو انہیں دعاؤں میں یاد رکھیں۔ نویں بات یہ کہ قرآن شریف کا ترجمہ لفظی اور بامحاورہ سیکھنے کی کوشش کریں۔ دسویں بات یہ کہ روحانی خزائن کا کم از کم تین دفعہ مطالعہ کریں۔ گیارہ یہ کہ روزانہ الفضل اور ایک عام اخبار پڑھیں۔ روزانہ خدمت خلق کا ایک کام کم از کم ضرور کریں۔

ان کے بیٹے سید غلام احمد فرخ ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یہ چند باتیں پیش کرتا ہوں کہ ابا کو اللہ تعالیٰ سے جو محبت تھی اس کا اظہار نمازوں اور ذکر الٰہی سے ہوتا تھا۔ ان کی نمازوں کو تو میں نے بھی دیکھا ہے مسجد میں۔ ایک طرف کونے میں لگے جس خشوع و خضوع سے پڑھا کرتے تھے جو گھر میں نمازیں ہیں وہ تو ہوتی ہوں گی ان کو ہم نہیں جانتے لیکن باہر بھی ان کی نماز کے وقت ایک عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ ایک ایسا فطری اور بے تکلف تعلق تھا جس کا لوگوں کے سامنے اظہار نہیں کرتے تھے لیکن پھر بھی بعض دفعہ اظہار ہو جاتا ہے لوگ خود ہی نوٹ کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے لکھا ہے کہ میں ابا کی نوٹ بک دیکھتا ہوں اس پر ہر روز اللہ لکھا ہوا نظر آتا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ جب بھی اپنے قلم میں روشنائی سیاہی بھرتے تو پہلا لفظ اللہ لکھتے ہیں اور اس طرح بعض اوراق یا ڈائریوں پر کئی کئی لائنوں میں صرف اللہ لکھا ہوا تھا۔ آپ نے آخری سالوں میں اپنے کمرے میں ایک فقرہ لکھا تھا اے میرے اللہ تی آمو۔ تو میں نے پوچھا اس کا مطلب کیا ہے۔ کہتے ہیں یہ اٹالین زبان کا لفظ ہے تی آمو کہ I love you ۔ اللہ تعالیٰ کو لکھا ہے انہوں نے۔ حمد باری تعالیٰ پر ان کی ایک نظم بھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے کہ

تیرا دیدار بھی تیری گفتار بھی   مجھ کو حاصل رہے مجھ کو دائم ملے

بیماری کے دنوں میں ان کا ایک دفعہ اپنڈیکس کا آپریشن ہوا تو **السلام علیکم کی آواز آئی صحت یاب ہوگئے**۔ ان کی عبادت اور نمازوں کا فلسفہ بھی تعلق باللہ سے ہی وابستہ تھا۔ ان دو کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کئی مرتبہ نماز تہجد میں اپنی دعا کا

طریق بتایا کہ پہلے حمد باری اور تعلق باللہ کے لئے دعائیں کرتا ہوں ایک دن کہتے ہیں مجھے بتایا کہ میں روزانہ تہجد میں اپنے چچا جان یعنی حضرت ڈاکٹر سید میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظم کے اشعار پڑھتا ہوں جو چچا جان نے بعنوان ''تم''لکھی تھی اس کا پہلا شعر یہ ہے کہ

تمہارا مدعا ہم ہیں ہمارا مدعا تم ہو　　علاج دردِ دل تم ہو ہمارے دلربا تم ہو

نماز تہجد میں دعا کا طریق بھی بتایا جو اختصار سے پیش کرتا ہوں ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ حمد باری اور درود شریف کے بعد حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کی آل اور خلفاء حضرت مسیح موعودؑ اور ان کی آل پر حضرت مصلح موعودؓ اور آپؓ کی آل پر الگ سے پھر اپنے دادا حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ سے شروع کرتے تھے اور درجہ بدرجہ نیچے آتے جاتے تھے۔ اپنی اولاد میں سب سے پہلے اپنی بیٹی کے لئے پھر بیٹوں کے لئے۔

حقوق العباد کی ادائیگی کا اصل ذریعہ دعا کو ہی سمجھتے تھے۔ **خلافت سے محبت چھلکتی تھی ہی لیکن سب سے بڑھ کر ان کی محبت آنحضور ﷺ سے تھی عشق تھا ایک۔** اتباع سنت رسول کی کوشش کرتے تھے چھوٹی چھوٹی باتوں سے اس کا اظہار ہوتا تھا ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ اس طرح ہوا کہ آپ کسی بے آرام کرسی پہ بیٹھے ہوئے تھے اور میں کسی دوسری کرسی پہ آرام سے بیٹھا تھا میں اٹھا اور ان کے لئے کرسی خالی کی لیکن وہ اس پر نہیں بیٹھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنے سے منع فرمایا ہوا ہے۔ بیشک تم میرے بیٹے ہو لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے کہ دوسرے کی کرسی بیٹھنے کی جگہ پر قبضہ کیا جائے اس لئے میں نہیں بیٹھوں گا۔ اسی طرح راستے میں آتے جاتے سلام کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کرتے۔ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد دعا کرنے میں مشغول رہتے اور اس بات کو ناپسند کرتے کہ اس دوران میں کوئی ان سے ملنے بھی آئے کیونکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ہم بچے بھی اس سے گریز کرتے تھے کہ ان کے پاس اس وقت میں جائیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت اور یوم وفات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یوم ولادت اور یوم وفات پر تاکیدی طور پر درود شریف کثرت سے پڑھنے کی نصیحت کرتے تھے اور خود بھی اکثر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ پڑھتے رہتے۔ کہتے ہیں میں ایک دفعہ قادیان گیا تو مجھے یہ دعا لکھ کے دی کہ دارالمسیح کے ہر کمرے میں سب سے پہلے ایک دفعہ میری طرف سے یعنی میر صاحب کی طرف سے یہ دعا پڑھنا اور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر بھی دعا کرنا۔ 1990ء میں آپ پر ایک مقدمہ قائم ہوا جو مجلس شوریٰ میں اظہار رائے پر تھا۔ مقدمہ C 298 کا تھا لیکن جج نے آپ کو کہا کہ آپ نے تقریر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی توہین کی ہے۔ اس پر آپ نے بڑی سختی سے جج کے سامنے اس کا رد کیا اور مجھے بتاتے تھے کہ مجھے اس بات کی بڑی تکلیف تھی۔ جج نے آپ کو کہا کہ میر محمود احمد نے بحث کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے متعلق توہین آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس پر میر محمود احمد صاحب نے کہا کہ یہ مجھ پر الزام ہے یہ سراسر جھوٹ ہے جھوٹ ہے جھوٹ ہے۔ **میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی دل سے تعظیم کرتا ہوں اور ان کی رسالت پر پختہ ایمان رکھتا ہوں۔** انہوں نے کہا کہ میں سید ہوں اور ان کی آل سے ہوں اور جھوٹ بولنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں۔ جج کے سامنے بڑی جرأت سے یہ بیان دیا۔ آخری بیماری کے دنوں میں تو خاص طور پر دعاؤں میں درود شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے اور یہ الفاظ بڑے دہراتے تھے کہ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی محبت کا اظہار تھا اور یہ بھی اپنی مثال تھا۔ ان کے بیٹے کہتے ہیں مجھے یاد ہے کہ 1989ء میں روزنامہ الفضل ربوہ نے جماعت کے صد سالہ تقریبات کے موقع پر سلسلہ کے بزرگوں سے انٹرویو لئے۔ آپ نے صرف یہ کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ سب سے بڑا معجزہ ہے کہ انسان کا زندہ خدا سے دوبارہ تعلق جوڑ دیا۔ اس قسم کے الفاظ تھے ان کے۔

بیماری کے دنوں میں بعض دفعہ قادیان کی بھی تیاری ہوتی تھی لیکن نہیں جاسکتے تھے اور پروگرام کینسل ہوتے تھے لیکن ایک محبت تھی قادیان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پہ حاضری کا ایک شوق تھا جس سے پھر آخر وقت میں آپ تکلیف اٹھا کے چلے جایا کرتے تھے۔

مطالعہ کے بارے میں لکھا ہے قرآن کریم بخاری روحانی خزائن کا مطالعہ آپ کی روزانہ زندگی کا معمول تھا اور ہمیں بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ جو لوگ ملنے آتے ان کو بھی مطالعہ کی تلقین کرتے۔ 1990ء میں ان پہ مقدمہ ہوا ایک رات چنیوٹ کے حوالات میں بھی رہے کہتے ہیں میں ملنے گیا تو انہوں نے کہا مجھے بالٹی اور مگ اور براہین احمدیہ لا دو۔ تو میاں خورشید احمد صاحب ساتھ تھے انہوں نے کہا کہ اتنی تنگ حوالات میں اتنی گرمی میں اتنی مشکل کتاب تم کس طرح پڑھو گے۔ انہوں نے کہا کوئی نہیں میرے لئے مشکل نہیں ہے پہلے بھی اس کو پانچ دفعہ پڑھ چکا ہوں۔ بہر حال وہاں چھوٹی سی جگہ گرمی کے دن ایک دن بھی بڑی تکلیف میں انہوں نے گزارا کیونکہ طبیعت نفیس تھی نفاست تھی طبیعت میں اس

لئے ان کے لحاظ سے یہ بہت بڑی تنگی تھی لیکن اس موقع پر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب پڑھنے کی فکر تھی۔ دینی علوم جن میں اسلام کے علاوہ یہودیت، عیسائیت وغیرہ کا بھی مطالعہ تھا اس پہ بہت دسترس تھی۔ موازنہ مذاہب میں آپ کو خاص مہارت تھی۔ روایتی فقہ سے نالاں تھے۔ ہمیشہ اس بات کی نصیحت کرتے تھے کہ قرآن کریم سنت رسول صحیح احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے علم کلام سے رہنمائی حاصل کرو۔

دنیاوی علوم خاص طور پر سائنسی علوم کا مطالعہ تاریخ کا مطالعہ اور اسی طرح تفریح کے لئے ہائیکنگ کے علوم پر بھی کتابیں کثرت سے پڑھتے تھے۔ انگریزی شعراء کے کلام اور اسی طرح اردو شعراء کے کلام کو بھی پڑھا ہوا تھا اور بہت سے شعراء کے شعر یاد تھے۔ اپنے آئی پیڈ پر شعراء کے کلام کو سنتے بھی تھے زبانیں سیکھنے کا ملکہ تھا اردو عربی انگریزی کے علاوہ سپینش اٹالین اور عبرانی پر خاصہ عبور ہو گیا تھا۔ اٹالین کے پروگرام توٹی وی اور آئی پیڈ پر باقاعدگی سے دیکھتے تھے۔ اس کے لئے وجہ یہ تھی کہ آپ کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی زمانے میں اٹالین زبان سیکھنے کا کہا تھا اور اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ حضور ان کو اٹلی بھجیں گے۔ یہ کہا کرتے تھے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ زبان سیکھو۔ میں سیکھ رہا ہوں اس حکم کو منسوخ تو نہیں کیا تھا اور آج تک میرے لئے یہ حکم جاری ہے تو اس لئے میں جاری رکھوں گا۔ مالی قربانی خاص جوش سے کرتے تھے پھر اسی طرح جو بھی ان کے حصے میں ورثہ میں جائیداد آئی اس کا فوری طور پر حصہ جائیداد ادا کیا۔

مبشر ایاز صاحب جو آجکل جامعہ کے پرنسپل ہیں، لکھتے ہیں کہ **میر صاحب نے ایک نہایت معصومانہ اور پاکباز زندگی بسر کی۔ انتہائی نفیس لیکن عاجز اور منکسر المزاج قناعت اور توکل کی ایک اعلیٰ مثال بن کر رہے۔ علم و عرفان کا ایک سمندر تھے بہت بڑے عالم تھے۔** باتیں سب ٹھیک ہیں۔ مفسر بھی تھے، محدث بھی تھے۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ کے یہ پہلے خوش نصیب عالم ہیں جنہیں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ پوری صحاح ستہ کا اردو ترجمہ کرنے کی توفیق ملی۔ میر صاحب کی زندگی عبارت تھی اس بات سے کہ کام کام اور بس کام۔ چھٹی کا لفظ میر صاحب کی زندگی کی لغت میں نہ تھا۔ **میر صاحب بلاشبہ خلافت نما وجود تھے** جنہوں نے خلافت کی اطاعت اور خلافت سے محبت کر کے ہمیں دکھایا اور سمجھایا۔ اپنے عمل سے دکھایا کہ خلافت کا احترام اس کو کہتے ہیں۔ سائیکل پہ وقت پہ جایا کرتے تھے سات بیس پہ جامعہ لگتا تھا سات بیس پہ پہنچ جاتے تھے دو تین دفعہ سائیکل سے بھی گرے ایک دفعہ بیمار تھے طبیعت خراب تھی ان کو میں نے کہا کہ آپ دس بجے تک انتظار کیا کریں دس بجے جامعہ جایا کریں اور اس کو بھی انہوں نے حکم سمجھا اور پھر دس بجے ہی دفتر جاتے تھے

بلکہ ایک دن مبشر صاحب نے یہ بھی لکھا کہ باہر آکے دس بجے سے پہلے برآمدے میں ٹہل رہے تھے تو میں نے تھوڑی دیر ان کا انتظار کیا پھر ان سے جاکے پوچھا کہ آپ باہر کیوں ٹہل رہے ہیں؟ اندر نہیں آتے انہوں نے کہا ابھی دس نہیں بجے اور مجھے یہ حکم ہے خلیفہ وقت کا کہ دس بجے دفتر جانا ہے اس لئے میں دس بجے دفتر جاؤں گا۔ ایک مثالی اطاعت تھی ان کی۔ ایک ماڈل تھے وہ لوگوں کے لئے۔ افسروں کے لئے بھی ماتحتوں کے لئے بھی۔

تنویر ناصر صاحب مربی قادیان میں ہیں کہتے ہیں کہ ان کی ایک یاد ہمیشہ میرے دل میں رہتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دن قادیان میں مسجد مبارک میں میں بیٹھا ہوا تھا تو میر صاحب مسجد کی پہلی صف میں ٹہل رہے تھے مجھے ان کا یہ ٹہلنا اور زیر لب دعائیں کرنا بڑا اچھا معلوم ہوا اور میں بڑا لطف اٹھا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد مجھے ہمت ہوئی میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ آپ مسجد کی پہلی صف میں ٹہل رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ **میں نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس جگہ ٹہلتے ہوئے دیکھا تھا اور میں بھی انہی کے خطوط اور نقش پر ٹہل رہا ہوں**۔ حضرت مصلح موعودؓ سے تو عجیب محبت تھی۔

فیروز عالم صاحب لکھتے ہیں کہ میرے زمانہ جامعہ کے دوسرے یا تیسرے سال میں یہ پرنسپل بن کے آئے ہماری خوش نصیبی ہے **انہوں نے تعلیم سے کہیں زیادہ اپنی مثالی شخصیت کے ذریعہ عالم باعمل ہونے کے لحاظ سے ہماری تربیت کی۔** میں ان کے دروس وغیرہ جہاں تک ممکن تھا سنتا اور ان پہ عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ انہوں نے ہمیں موازنہ مذاہب پڑھایا اکثر ہمیں وہ دلائل لکھاتے اور سمجھاتے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں پیش فرمائے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے بارے میں ہمیں پڑھا رہے تھے۔ اچانک سوالیہ انداز میں فرمایا کہ کیا آج بھی معجزات رونما ہوتے ہیں؟ پھر اپنا ایک تجربہ سناتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ جلسہ کے دنوں میں کہیں ان کی ڈیوٹی کے دوران ایسا ہوا کہ کھانا بہت تھوڑا تھا اچانک کافی سارے مہمان آگئے جو معمولی سا کھانا آیا اسے تقسیم کرنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ برکت دیتا گیا سب نے کھایا اور کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

ان کے پوتے عزیزم حاشر احمد مربی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بڑی محبت تھی ایک عجیب اثر چھوڑا تھا اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہر ایک کے دل میں بڑوں میں چھوٹوں میں۔ تہجد میں باقاعدہ تھے نمازوں میں باقاعدہ تھے اب یہ مربی بن گئے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ اپنے دادا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم سے محبت ایسی تھی کہ ایسا عشق

کبھی نہیں دیکھا۔ لمبی لمبی تلاوت کیا کرتے تھے فجر کے بعد۔ کہتے ہیں میں طفل تھا تو مجھے کچھ عرصہ ان کے گھر رہنے کا موقع ملا اور تہجد پڑھنے کے بعد نماز فجر کے لئے مجھے اٹھاتے پھر لمبی تلاوت کرتے۔ بڑے غور اور محبت سے پڑھا کرتے تھے مجھے اس کا بڑا اثر تھا اور کہتے ہیں میں جامعہ میں داخل ہوا کینیڈا جامعہ میں داخل ہوئے تو جب وہاں جاتا تھا پوچھتے تھے قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر الگ الگ پڑھاتے ہیں یا اکٹھے تو میں نے انہیں کہا الگ الگ۔ اس پر خوش تھے کہ ایسا ہونا چاہئے لوگوں کو تفسیر آجاتی ہے اور ترجمہ نہیں آتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت کا ذکر انہوں نے اس طرح کیا کہ روحانی خزائن کے دیوانے تھے مجھے بہت مرتبہ یہ کہا کہ میں نے حضرت اقدس علیہ السلام کی کتب بہت مرتبہ پڑھی ہیں مگر ہر دفعہ نئے مضامین نکلتے چلے آتے ہیں۔ مجھے کہا کرتے تھے کہ روحانی خزائن پڑھ لو تو تمہیں قرآن حدیث سیرت سب کی سمجھ آئے گی۔ یہ بات تو مجھے بھی انہوں نے ایک دفعہ بتائی تھی وہ کہنے لگے کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب تین دفعہ تو ضرور پڑھ لی ہیں اور بعض کتابیں تین سے زائد مرتبہ بھی پڑھی ہوئی ہیں لیکن عاجزی کی انتہا تھی کبھی علمیت کا اظہار نہیں کیا۔

کہتے ہیں ایک دفعہ گھر میں خطبہ سن رہے تھے کہ بجلی بند ہو گئی ربوہ میں، پاکستان میں بجلی اکثر بند ہو جاتی ہے تو ٹی وی بند ہو گیا میں چھوٹا تھا میں اٹھ کے جانے لگا تو انہوں نے کہا بیٹھو اور دعائیں پڑھتے رہو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس میں بھی بڑی برکت ہوتی ہے۔ تمہیں کیا پتہ کس وقت بجلی آجائے اور خلیفہ وقت کا خطبہ دوبارہ شروع ہو جائے اور تم اتنے الفاظ مس کر دو۔ تو یہ برداشت نہیں تھا۔

ایک دفعہ کوئی فنکشن تھا جہاں میرا خطاب ہونا تھا وہ ان کو اطلاع نہیں ملی وہ سن نہیں سکے۔ MTA لگایا تو اس وقت ختم ہو چکا تھا۔ کسی خادم کو کہا اس نے آئی پیڈ پہ لگانے کی کوشش کی تو اس میں اور زبان میں آرہا تھا لیکن وہ بھی سنتے رہے۔ پھر جب میں آیا تو میں نے ان کو اردو میں لگا کے دیا تو بڑے خوش تھے اور بڑی شکر گزاری تھی ان کے اندر کہ تم نے یہ میرے لئے لگا دیا میری بہت مدد کی اور مجھ پر بہت احسان کیا ہے۔ بچوں سے بھی شکر گزاری کے اظہار کرتے تھے۔

عامر سفیر صاحب ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز ہیں کہتے ہیں میں نے بھی **اطاعت خلافت کا عجیب غیر معمولی نمونہ ان میں دیکھا ہے**۔ کہتے ہیں میں اس شعبہ میں آیا تو انہوں نے آکے مجھے کہا بلکہ میں نے خود ہی عامر صاحب کو کہا تھا کہ آپ علماء کو کہیں کہ ریویو کے لئے مضمون لکھا کریں اور میں نے چند علماء کے نام بتائے تھے ان میں میں نے میر محمود احمد صاحب کا بھی

بتایا تھا۔ تو کہتے ہیں اس وقت وہ پاکستان میں تھے میں نے پتا کیا کہ اس وقت سو تو نہیں رہے ہوں گے رات کے دس گیارہ بجے کا وقت تھا تو ان کے رشتہ داروں نے کہا کہ نہیں۔ کہتے ہیں میں نے فون کیا ان کی اہلیہ نے فون اٹھایا تو میں نے ان سے کہا کہ اس طرح بات کرنی ہے انہوں نے کہا وہ تو سو رہے ہیں لیکن اس دوران میر صاحب کی آنکھ کھل گئی انہوں نے فون کی گھنٹی کی آواز سنی یا باتوں سے آنکھ کھل گئی تو انہوں نے بات کی تو میں نے کہا اس طرح خلیفۃ المسیح نے یہ کہا ہے کہ آپ ریویو کے لئے فلاں موضوع پہ لکھیں۔ کہتے ہیں اس وقت تو مجھے سمجھ نہیں آ رہی صبح میں بتاؤں گا۔

بہر حال اگلے دن انہوں نے میر صاحب نے پندرہ صفحہ کا ایک مضمون لکھ کے مجھے بھجوا دیا تو میں نے عامر سفیر کو بھیجا کہ یہ مضمون ان کی طرف سے آیا ہے اور میر صاحب نے لکھا تھا کہ رات کو ایک لڑکے کا فون آیا تھا جس نے یہ بات کی تھی خلیفۃ المسیح کا یہ ارشاد ہے کہ تم یہ مضمون لکھو تو میں نے یہ لکھ دیا ہے پہلی قسط بھیج رہا ہوں پندرہ صفحہ کی اور آئندہ بھی بھیجتا رہوں گا۔

تو اس حد تک وہ اطاعت کرنے والے تھے۔ وقت کی اطاعت میں نے پہلے بتا دیا کہ دفتر میں اندر نہیں آئے کہ دس بجیں گے تو اندر آؤں گا۔

پھر جب ان کا پروگرام کفن مسیح کے بارے میں ہوتا تھا اس بارے میں جو یہاں جلسہ پہ نمائش لگتی تھی اس میں بھی ہر سال شامل ہوتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی میں یہ سارا بیان دیا کرتے تھے عامر سفیر نے لکھا ہے کہ مربیان جب کسی علمی موضوع پر مطالعہ کرتے ہیں تو اصل یعنی جماعتی پہلوؤں کو چھوڑ کر دنیاوی حوالوں پر زیادہ توجہ دیتے ہیں لیکن ان کا طریق یہ تھا کہ سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور موقف مکمل طور پر سمجھتے اور پھر بعد میں غیر جماعتی یا سیکیولر پہلوؤں کو دیکھتے نہ کہ اس کا الٹ۔

کہتے ہیں کہ میر صاحب بڑے اعتماد سے دنیا کے جو بڑے بڑے شراؤڈ کے ماہرین ہیں ان کے سامنے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ پیش کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے صلیب سے زندہ بچ جانے کا جو واقعہ ہے اس پہ جو ریسرچ ہوئی تھی اس کا یہ واقعہ ہے کہ ریویو آف ریلیجنز کی ٹیم کافی عرصہ سے اس موضوع پر مختلف زاویوں اور پہلوؤں سے کام کر رہی تھی ان کی کوشش تھی کہ شراؤڈ سے متعلق جملہ سائنسی تاریخی اور نظریاتی پہلو پیش کر کے جماعتی مؤقف کو تقویت دی جائے لیکن اس کے برعکس میر صاحب کی حکمت عملی اس سے مختلف تھی۔ ان کا یہ تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے مرہم عیسیٰ پر زور دیا ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان نکات کو بنیاد بنایا جائے اور باقی پہلوؤں کو اضافی

حیثیت دی جائے۔ وہ بار بار یہی مؤقف پیش کرتے رہے اور مرہم عیسیٰ ہی وہ کڑی ہے جو واقعہ صلیب کو سمجھنے کی کلید ہے۔

ریویو کی ٹیم کی کاوشوں سے اگرچہ جماعت کا اخلاقی تاثر مضبوط ہوا اور ماہرین سے تعلق اچھے ہوئے مگر علمی سطح پر فیصلہ کن اثر نہ پڑ سکا لیکن کہتے ہیں میر صاحب کی اپروچ نے آخر کار اپنا اثر دکھایا شراؤڈ کے اس وقت کے سب سے مشہور ماہر اور فوٹو گرافر بیری شوارٹز(Barrie Schwortz) نے خود اعتراف کیا کہ اگر آپ واقعی مرہم عیسیٰ سے متعلق اپنا نکتہ ثابت کر دیں تو مجھے ماننا پڑے گا کہ عیسیٰ واقعی صلیب سے بچ گئے تھے۔

ان کے بیشمار واقعات لوگوں نے لکھے ہیں اور بھی ہیں ان کے بچوں کی طرف سے ان کی اولادوں کی طرف سے اور لوگوں کی طرف سے واقفین کی طرف سے مربیان کی طرف سے جو بیان کرنے مشکل ہیں۔ ایک چیز ہے جو ہر مربی نے لکھی۔ اگر ہر ایک نے نہیں تو کم از کم بہت سارے ہیں جو کامن ہے اور وہ یہ کہ کہتے تھے ایک لفظ قبر پکڑ لو، اس پہ عمل کرو اور اس قبر کے معنی یہ بتاتے تھے کہ "قاف" سے قرآن، "ب" سے بخاری حدیث کی کتاب اور "ر" سے روحانی خزائن۔ کہا کرتے تھے کہ اگر ان کے تم ماہر بن جاؤ ان کو حاصل کر لو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو اس سے علم سیکھنے کی کوشش کرو اس سے روحانیت سیکھنے کی کوشش کرو تو تم اپنے مقصد کو پانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

ویسے بھی قبر کا لفظ خود بھی ایسا ہے کہ اگر انسان کو یاد رہے تو خدا تعالیٰ یاد رہتا ہے اور جب خدا تعالیٰ یاد رہے تو پھر انسان تقویٰ پر چلنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

بہرحال خلافت کے ایک عظیم معاون اور مددگار تھے، جانثار تھے، حرف حرف پر عمل کرنے والے تھے۔ باوفا تھے۔ ایسے سلطان نصیر تھے جو کم کم ہی ملتے ہیں۔ عالم باعمل تھے۔ مجھے تو کم از کم ان جیسی کوئی مثال ابھی نظر نہیں آتی۔ اللہ کے خزانے میں تو کوئی کمی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کرے کہ ایسی مثالیں اور بھی پیدا ہو جائیں اور ایسے باوفا اور مخلص اور تقویٰ پر چلنے والے مددگار اللہ تعالیٰ خلافت احمدیہ کو عطا فرماتا رہے اور ان کی اولاد کو بھی ان کے باپ کی دعاؤں کا حصہ دار بنائے اور ان کے عمل پر ان کی نصیحتوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مورخہ 16 مئی 2025ء بشکریہ روزنامہ الفضل انٹرنیشنل ہفتہ مورخہ 7 جون 2025ء صفحہ 2 تا 7)

سوانحی خاکہ مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر

مکرم و محترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب 15 اکتوبر 1929ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔(الفضل قادیان 18 اکتوبر 1929ء صفحہ نمبر 1)

آپ کے والد صاحب کا نام حضرت سید میر محمد اسحاق صاحبؓ ابن حضرت سید میر ناصر نواب صاحبؓ اور والدہ صاحبہ کا نام حضرت صالحہ بیگم صاحبہؓ بنت حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ تھا۔[پیر صاحب حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی کے صاحبزادے تھے۔]

آپ حضرت اماں جانؓ کے بھتیجے، حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت مریم صدیقہ صاحبہ [چھوٹی آپا] کے داماد تھے۔

آپ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے رشتہ میں خالو تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کی۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔

آپ نے 17 مارچ 1944ء میں اپنے والد حضرت سید میر محمد اسحاق صاحبؓ کی وفات والے دن زندگی وقف کی۔

آپ نے 15 مئی 1945ء کو جامعہ احمدیہ میں داخلہ لیا۔ اور 1952ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

اس کے علاوہ آپ نے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔

جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کا پہلا تقرر یکم اپریل 1952ء کو ہوا۔

28 جون 1952ء کو ربوہ کے پہلے قائد خدام الاحمدیہ منتخب ہوئے۔(ماہنامہ خالد جولائی 1953ء صفحہ 34)

آپ 1954ء تا 1957ء انگلستان میں تھے جہاں آپ نے بطور مبلغ بھی کام کیا اور حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر تعلیم بھی حاصل کی اور لندن مشن کے سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ اسی دوران

Universaty of London SOAS(The School of Oriental and African Studies)

میں تعلیم حاصل کی۔[حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی رفاقت میں تعلیم حاصل کرتے رہے]

1957ء تا 1959ء وکالت دیوان میں بطور ریزرو مبلغ رہے۔

مجلس خدام الاحمدیہ میں 1958ء تا 1961ء بطور مہتمم تعلیم رہے۔

8 فروری 1960ء کو جامعہ احمدیہ میں بطور پروفیسر تقرر ہوا اور 1978ء تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔

1962ء تا 1965ء بطور مہتمم تربیت و اصلاح رہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو 3 جون 1962ء کو مجلس افتاء کا ممبر مقرر فرمایا اور 30 نومبر 1972ء تک آپ مجلس کے ممبر رہے۔

اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 8 دسمبر 1989ء کو دوبارہ آپ کو مجلس افتاء کا ممبر مقرر فرمایا جس کے بعد آپ تاحیات اس کے ممبر رہے۔

1965ء تا 1966ء بطور مہتمم خدمت خلق رہے۔

1966ء تا 1969ء بطور نائب صدر رہے اور اس دوران 68-1967ء میں مہتمم عمومی بھی رہے۔

1978ء تا 1982ء وکالت تبشیر کے تحت بطور مبلغ امریکہ میں اور 1982ء تا 1986ء بطور مبلغ سپین میں خدمت کی توفیق پائی۔

یکم مارچ 1981ء میں واشنگٹن کے ایک اہم چرچ The Chevy Chasc Presbyterian Church میں اسلام کے تعارف کے موضوع پر ایک تقریر کی۔

10 ستمبر 1982ء کو مسجد بشارت سپین کے افتتاح کے موقع پر تختی/plate آپ نے پکڑی ہوئی تھی۔

1981ء میں، 2011ء تا 2015ء اور 2017ء سے تاحال رکن خصوصی مجلس عاملہ انصار اللہ پاکستان رہے۔

1986ء تا 1989ء بطور وکیل التصنیف خدمت کی توفیق پائی۔

دسمبر 1986ء تا 6 فروری 2010ء جامعہ احمدیہ ربوہ کے پرنسپل رہے۔

1987ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو تدوین فقہ کمیٹی کا ممبر مقرر فرمایا جس کے بعد آپ تاحیات اس کمیٹی کے ممبر رہے۔

خلافت ثالثہ اور رابعہ میں کچھ عرصہ (کم از کم چھ سال) بطور قاضی کام کرنے کی توفیق ملی۔

جلسہ سالانہ کے تحت لمبا عرصہ مختلف نظامتوں میں، لنگر خانہ میں، نیز بطور نائب افسر جلسہ سالانہ خدمت کی توفیق ملی نیز جلسہ سالانہ میں متعدد بار تقریر کرنے کا بھی موقع ملا۔

13 جون 1990ء کو آپ کو توہین رسالت کے ایک جھوٹے مقدمہ میں گرفتار کیا گیا اور ایک رات کے لئے آپ اسیر راہِ مولیٰ بھی رہے۔

ستمبر 1994ء تا جولائی 2001ء وکیل التعلیم بھی رہے۔

2003ء تادم آخر آپ مجلس تحریک جدید کے ممبر رہے۔

2004ء میں واقعہ صلیب سیل کا قیام عمل میں آیا تو اس کے آپ انچارج مقرر ہوئے۔

2005ء میں نورؓ فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس کے آپ صدر مقرر ہوئے۔

دسمبر 2011ء میں رسالہ موازنہ مذاہب کا اجراء ہوا تو اس کے پہلے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ یوکے 2012ء پر دوسرے دن کے خطاب میں رسالہ ”موازنۂ مذاہب“ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

”ایک رسالہ جاری کیا گیا تھا، ذمہ لگایا گیا تھا، میر محمود احمد صاحب کے۔ ماہانہ رسالہ ہے ”موازنۂ مذاہب“ جو یہاں سے چھپتا ہے یوکے سے اور اس میں بڑے اچھے علمی اور تحقیقی مضامین ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بڑے پسند آرہے ہیں۔ اس کی ضرورت تھی اور گو اس وقت اسکی تعداد کم ہے لیکن اس کے بارہ میں میں کہنا چاہتا ہوں جو لوگ اردو پڑھنا جانتے ہیں ان کو اس رسالہ کا خریدار بننا چاہیئے کافی اچھے مضامین ہیں بلکہ بعض مضامین کے ترجمے کرکے ریویو آف ریلیجنز میں بھی شائع ہو رہے ہیں۔“ (خطاب حضور انور ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بر موقعہ چھیالیسواں جلسہ سالانہ برطانیہ مؤرخہ 08 ستمبر 2012ء)

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ یوکے 2014ء پر دوسرے دن کے خطاب میں رسالہ ”موازنۂ مذاہب“ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

”رسالہ ماہنامہ ”موازنۂ مذاہب“ یہ بھی بڑا اچھا رسالہ ہے۔ اور اس کے سیّد میر محمود احمد ناصر صاحب اس کے ایڈیٹر ہیں۔ شائع ہوتا ہے یہاں یوکے سے ہر ماہ۔ اور اچھے اس میں علمی تحقیقی مضامین ہوتے ہیں۔ سالانہ اس کے 20 پاؤنڈ ہے اس کا، چندہ۔ اس کو بھی لوگوں کو پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔“

(خطاب حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بر موقعہ 48واں جلسہ سالانہ برطانیہ مؤرخہ 30 اگست 2014ء)

آپ آخر دم تک بطور صدر نور فاؤنڈیشن، انچارج واقعہ صلیب سیل اور انچارج ریسرچ سیل خدمت دین کی توفیق پاتے رہے۔

26 دسمبر 1955ء جلسہ سالانہ کے افتتاح سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آٹھ نکاحوں کا اعلان فرمایا۔ ان میں سے پہلا نکاح سید میر محمود احمد صاحب کا صاحبزادی امۃ المتین صاحبہ کے ساتھ پڑھا۔ (خطبات محمود جلد 3 صفحہ 672 تا 676)

آپ کی شادی 21 نومبر 1957ء کو ہوئی۔ (روزنامہ الفضل ربوہ 23 نومبر 1957ء صفحہ 1)

دعوت ولیمہ 23 نومبر 1957ء کو ہوئی جس میں بعض افراد خاندان کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض صحابہ افسران صیغہ جات اور غیر ملکی طلبا کے بعض نمائندوں نے شرکت کی۔ دعوت میں علاوہ دیگر احباب کے سیدنا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ نے از راہ شفقت شرکت فرمائی۔(روزنامہ الفضل ربوہ 26 نومبر 1957ء صفحہ 1)

اس شادی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ جن کے اسماء درج ذیل ہیں:۔

1: مکرم سید شعیب احمد صاحب (امریکہ)

2: مکرم ڈاکٹر سید ابراہیم منیب صاحب (کینیڈا)

3: مکرم سید محمد احمد صاحب (یوکے)

4: مکرم ڈاکٹر سید غلام احمد فرخ صاحب (ربوہ)

5: مکرم سیدہ عائشہ نصرت جہاں صاحبہ اہلیہ مکرم مرزا فخر احمد صاحب (ہالینڈ)

مکرم و محترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب نے مؤرخہ 11 مئی 2025ء بروز اتوار صبح قریباً چھ بجے 96 سال کی عمر میں طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ ربوہ میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ۔

آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ آپ کی نمازِ جنازہ مؤرخہ 11 مئی 2025ء کو مکرم و محترم سید خالد احمد شاہ صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی ربوہ نے بعد از نمازِ عصر مسجد مبارک ربوہ میں پڑھائی اور قطعہ خاص بہشتی مقبرہ دارالفضل ربوہ میں تدفین کے بعد دعا کروائی۔

مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کی فہرست

- قرآن کریم کا لفظی ترجمہ
- سیرت النبی ﷺ کان خلقہ القرآن (تین حصے)
- ہمارے پیارے نبی ﷺ کی پیاری پیاری باتیں
- 365 دن، نماز کے بعد روزانہ درس کے لئے انتخاب (تین حصے)
  365 دن، نماز کے بعد روزانہ درس کے لئے انتخاب (چوتھا حصہ غیر مطبوعہ)
- ہم کیا مانتے ہیں (منظوم کتابچہ)
- فلسطین سے کشمیر تک (صلیب سیل)
- سیرت النبی ﷺ از تحریرات حضرت اقدس مسیح موعودؑ [دو حصے، غیر مطبوعہ]
- پوپ کی تقریر کا ردّ (غیر مطبوعہ)
- صحاح ستہ کا مکمل ترجمہ، مسند احمد بن حنبل کا ترجمہ ابھی جاری ہے۔ نیز صحیح مسلم کی شرح بھی جاری ہے۔

قرآن اور بائبل کا تقابلی مطالعہ

توہمات اور فرضی کہانیاں

(ایم۔ناصر)

قرآن مجید بار بار عقل فہم اور تدبر کی تلقین فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن کو کتاب حکیم کے لقب سے نوازتا ہے جس میں کوئی توہمانہ بات، کوئی فرضی کہانی، کسی لغویات کا ذکر نہیں۔ شروع قرآن میں ہی یہ دعویٰ لَا رَیْبَ فِیْہِ کے الفاظ میں کہا گیا ہے۔

بائبل کے دونوں حصے پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ توہمات اور فرضی کہانیوں سے لبریز ہیں۔ جس کے کچھ نمونے ہم قارئین کے لئے درج کرتے ہیں۔

متی کی انجیل میں لکھا ہے:

"جب وہ اس پار گدرینیوں کے ملک میں پہنچا تو دو آدمی جن میں بدروحیں تھیں قبروں سے نکل کر اس سے ملے۔ وہ ایسے تند مزاج تھے کہ کوئی اس راستہ سے گزر نہیں سکتا تھا۔ اور دیکھو انہوں نے چلا کر کہا اے خدا کے بیٹے ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو اس لئے یہاں آیا ہے کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب میں ڈالے؟ ان سے کچھ دور بہت سے سؤروں کا غول چر رہا تھا۔ پس بدروحوں نے اس کی منت کر کے کہا کہ اگر تو ہم کو نکالتا ہے تو ہمیں سؤروں کے غول میں بھیج دے۔ اس نے ان سے کہا جاؤ۔ وہ نکل کر سؤروں کے اندر چلی گئیں اور دیکھو سارا غول کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور پانی میں ڈوب مرا۔ اور چرانے والے بھاگے اور شہر میں جا کر سب ماجرا اور ان کا احوال جن میں بدروحیں تھیں بیان کیا۔ اور دیکھو سارا شہر یسوع سے ملنے کو نکلا اور اسے دیکھ کر منت کی کہ ہماری سرحدوں سے باہر چلا جا۔" (متی باب 8 آیت 28 تا 34)

”جب ناپاک روح آدمی میں سے نکلتی ہے تو سوکھے مقاموں میں آرام ڈھونڈتی پھرتی ہے اور نہیں پاتی۔ تب کہتی ہے میں اپنے اس گھر میں پھر جاؤں گی جس سے نکلی تھی اور آکر اسے خالی اور جھڑا ہوا اور آراستہ پاتی ہے۔ پھر جاکر اور سات روحیں اپنے سے بری ہمراہ لے آتی ہے اور وہ داخل ہو کر وہاں بستی ہیں اور اس آدمی کا پچھلا حال پہلے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔“(متی باب 12 آیت 43 تا 45)

متی باب 16 میں لکھا ہے:

”شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا مبارک ہے تو شمعون بریوناہ کیونکہ یہ بات گوشت اور خون نے نہیں بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کی ہے۔ اور میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنی کلیسیا بناؤں گا اور عالم ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے۔ میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھیگا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔...

اس نے پھر کر پطرس سے کہا اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو۔ تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“(متی باب 16 آیت 16 تا 19 و 23)

متی کی انجیل شائع کردہ بائبل سوسائٹی میں لکھا ہے:

”جب صبح کو پھر شہر کو جارہا تھا اسے بھوک لگی۔ اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پاکر اس سے کہا کہ آیندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا۔ شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سوکھ گیا! یسوع نے جواب میں ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر ایمان رکھو اور شک نہ کرو تو نہ صرف وہی کروگے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہوا بلکہ اگر اس پہاڑ سے بھی کہوگے کہ تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ تو یوں ہی ہو جائے گا۔ اور جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگوگے وہ سب تم کو ملے گا۔“(متی باب 21 آیت 18 تا 22)

مرقس کی انجیل میں یسوع کے بارہ میں لکھا ہے:

”اُس نے اُٹھ کر ہوا کو ڈانٹا اور پانی سے کہا چپ رہ! تھم جا!“(مرقس باب 4 آیت 39)

نیز یسوع کا انجیر کے درخت پر لعنت کرنے کا ذکر ہے۔(مرقس باب 11 آیت 12 تا 14، 20 تا 24)

مرقس کی انجیل میں لکھا ہے:

”اور وہ جھیل کے پار گراسینیوں کے علاقہ میں پہنچے۔اور جب وہ کشتی سے اترا تو فی الفور ایک آدمی جس میں ناپاک روح تھی قبروں سے نکل کر اس سے ملا۔وہ قبروں میں رہا کرتا تھا اور اب کوئی اسے زنجیروں سے بھی نہ باندھ سکتا تھا کیونکہ وہ بار بار بیڑیوں اور زنجیروں سے باندھا گیا تھا لیکن اس نے زنجیروں کو توڑا اور بیڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا اور کوئی اسے قابو میں نہ لا سکتا تھا۔اور وہ ہمیشہ رات دن قبروں اور پہاڑوں میں چلّاتا اور اپنے تئیں پتھروں سے زخمی کرتا تھا۔وہ یسوع کو دور سے دیکھ کر دوڑا اور اسے سجدہ کیا۔اور بڑی آواز سے چلا کر کہا اے یسوع خدا تعالیٰ کے بیٹے مجھے تجھ سے کیا کام؟ تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں مجھے عذاب میں نہ ڈال۔کیونکہ وہ اس سے کہتا تھا اے ناپاک روح اس آدمی میں سے نکل آ۔پھر اس نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے اس سے کہا میرا نام لشکر ہے کیونکہ ہم بہت ہیں۔پھر اس نے اس کی بہت منّت کی کہ ہمیں اس علاقہ سے باہر نہ بھیج۔اور وہاں پہاڑ پر سؤروں کا ایک بڑا غول چر رہا تھا۔پس انہوں نے اس کی منّت کر کے کہا کہ ہم کو ان سوٴروں میں بھیج دے تا کہ ہم ان میں داخل ہوں۔پس اس نے ان کو اجازت دی اور ناپاک روحیں نکل کر سوٴروں میں داخل ہو گئیں اور وہ غول جو کوئی دو ہزار کا تھا کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا۔“(مرقس باب 5 آیت 1 تا 13)

لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

”پھر کسی فریسی نے اس سے درخواست کی کہ میرے ساتھ کھانا کھا۔پس وہ اس فریسی کے گھر جا کر کھانا کھانے بیٹھا۔تو دیکھو ایک بد چلن عورت جو اس شہر کی تھی۔یہ جان کر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہے سنگ مرمر کے عطر دان میں عطر لائی۔اور اس کے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہو کر اس کے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے ان کو پونچھا اور اس کے پاؤں بہت چومے اور ان پر عطر ڈالا۔“(لوقا باب 7 آیت 36 تا 38)

”جب وہ راہ میں چلے جاتے تھے تو کسی نے اس سے کہا جہاں کہیں تو جائے میں تیرے پیچھے چلوں گا۔یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔پھر اس نے دوسرے سے کہا میرے پیچھے چل۔اس نے کہا اے خداوند! مجھے اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں۔اس نے اس سے کہا کہ مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے لیکن تو جا کر خدا کی بادشاہی کی خبر

پھیلا۔" (لوقا باب 9 آیت 57 تا 60)

لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

"پھر اس نے ان سے کہا کہ جب میں نے تمہیں بٹوے اور جھولی اور جوتی بغیر بھیجا تھا کیا تم کسی چیز کے محتاج رہے تھے؟ انہوں نے کہا کسی چیز کے نہیں۔ اس نے ان سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو وہ اسے لے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے۔" (لوقا باب 22 آیت 35،36)

یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے:

"یروشلیم میں بھیڑ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے اور اس کے پانچ برآمدے ہیں۔ ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پژمردہ لوگ (جو پانی کے ہلنے کے منتظر ہو کر) پڑے تھے۔ (کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اتر کر پانی ہلایا کرتا تھا۔ پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اترتا سو شفا پاتا اس کی جو کچھ بیماری کیوں نہ ہو۔)" (یوحنا باب 5 آیت 2 تا 4)

"یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا۔ یسوع ان سب باتوں کو جو اس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور ان سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟۔ انہوں نے اسے جواب دیا یسوع ناصری کو۔ یسوع نے ان سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہی ہوں وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے۔ پس اس نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے کہا یسوع ناصری کو۔ یسوع نے جواب دیا کہ میں تم سے کہہ تو چکا کہ میں ہی ہوں۔ پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انہیں جانے دو۔" (یوحنا باب 18 آیت 3 تا 8)

ایک تھسلنیکیوں میں لکھا ہے:

"ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے۔ سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے کیونکہ خداوند خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خداوند کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئیگا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موئے جی اٹھیں گے۔ پھر ہم جو زندہ باقی ہونگے ان کے ساتھ بادلوں پر اٹھائے جائیں گے تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔" (1 تھسلنیکیوں باب 4 آیت 15 تا 17)

استثناء میں لکھا ہے:

”اگر اس ملک میں جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو قبضہ کرنے کو دیتا ہے کسی مقتول کی لاش میدان میں پڑی ہوئی ملے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اسکا قاتل کون ہے تو تیرے بزرگ اور قاضی نکل کر اس مقتول کے گرداگرد کے شہروں کے فاصلہ کو ناپیں۔اور جو شہر اس مقتول کے سب سے نزدیک ہو اس شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے کبھی کوئی کام نہ لیا گیا ہو۔اور نہ وہ جوئے میں جوتی گئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو بہتے پانی کی وادی میں جس میں نہ ہل چلا ہو اور نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو لے جائیں اور وہاں اس وادی میں اس بچھیا کی گردن توڑ دیں۔

تب بنی لاوی جو کاہن ہیں نزدیک آئیں کیونکہ خداوند تیرے خدا نے انکو چن لیا ہے کہ خداوند کی خدمت کریں اور اسکے نام سے برکت دیا کریں اور ان ہی کے کہنے کے مطابق ہر جھگڑے اور مار پیٹ کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا کرے۔پھر اس شہر کے سب بزرگ جو اس مقتول کے سب سے نزدیک رہنے والے ہوں اس بچھیا کے اوپر جسکی گردن اس وادی میں توڑی گئی اپنے اپنے ہاتھ دھوئیں اور یوں کہیں کہ ہمارے ہاتھ سے یہ خون نہیں ہوا اور نہ یہ ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے۔سوائے خداوندا اپنی قوم اسرائیل کو جسے تو نے چھڑایا ہے معاف کر اور بے گناہ کے خون کو اپنی قوم اسرائیل کے ذمہ نہ لگا۔تب وہ خون انکو معاف کر دیا جائیگا۔یوں تو اس کام کو کر کے جو خداوند کے نزدیک درست ہے بے گناہ کے خون کی جوابدہی کو اپنے اوپر سے دور و دفع کرنا۔“(استثناء باب 21 آیت 1 تا 9)

”اگر کسی آدمی کا ضدی اور گردن کش بیٹا ہو جو اپنے باپ یا ماں کی بات نہ مانتا ہو اور انکے تنبیہ کرنے پر بھی انکی نہ سنتا ہو۔تو اسکے ماں باپ اسے پکڑ کر اور نکال کر اس شہر کے بزرگوں کے پاس اس جگہ کے پھاٹک پر لے جائیں۔اور وہ اسکے شہر کے بزرگوں سے عرض کریں کہ یہ ہمارا بیٹا ضدی اور گردن کش ہے۔یہ ہماری بات نہیں مانتا اور اڑاؤ اور شرابی ہے۔تب اسکے شہر کے سب لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا تب سب اسرائیلی سن کر ڈر جائیں گے۔“(استثناء باب 21 آیت 18 تا 21)

”خداوند نے موسیٰ سے کہا بنی اسرائیل سے گفتگو کر کے انکے سب سرداروں سے انکے آبائی خاندانوں کے مطابق فی خاندان ایک لاٹھی کے حساب سے بارہ لاٹھیاں لے اور ہر سردار کا نام اسی کی لاٹھی پر لکھ۔اور لاوی کی لاٹھی پر ہارون کا نام لکھنا کیونکہ انکے آبائی خاندانوں کے ہر سردار کے لئے ایک لاٹھی ہو گی۔اور انکو لیکر خیمہ اجتماع میں شہادت کے صندوق کے سامنے جہاں میں تم سے ملاقات کرتا ہوں رکھ دینا۔اور جس شخص کو میں چنوں گا اسکی لاٹھی سے کلیاں پھوٹ

نکلیں گی اور بنی اسرائیل جو تم پر کڑکڑاتے رہتے ہیں وہ کڑکڑانا میں اپنے پاس سے دفع کروں گا۔ سو موسیٰ نے بنی اسرائیل سے گفتگو کی اور ان کے سب سرداروں نے اپنے آبائی خاندانوں کے مطابق فی سردار ایک لاٹھی کے حساب سے بارہ لاٹھیاں اسکو دیں اور ہارون کی لاٹھیں بھی ان کی لاٹھیوں میں تھی اور موسیٰ نے ان لاٹھیوں کو شہادت کے خیمہ میں خداوند کے حضور رکھ دیا۔ اور دوسرے دن جب موسیٰ شہادت کے خیمہ میں گیا تو دیکھا کہ ہارون کی لاٹھی میں جو لاوی کے خاندان کے نام کی تھی کلیاں پھوٹی ہوئی اور شگوفے کھلے ہوئے اور پکے بادام لگے ہیں۔" (گنتی باب 17 آیت 1 تا 8)

بیویوں اور شکی شوہروں کے معاملات:

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کسی کی بیوی گمراہ ہو کر اس سے بیوفائی کرے اور کوئی دوسرا آدمی اس عورت کے ساتھ مباشرت کرے اور اسکے شوہر کو معلوم نہ ہو بلکہ یہ اس سے پوشیدہ رہے اور وہ ناپاک ہو گئی ہو پر نہ تو کوئی شاہد ہو اور نہ وہ عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہو اور اسکے شوہر کے دل میں غیرت آئے اور وہ اپنی بیوی سے غیرت کھانے لگے حالانکہ وہ ناپاک ہوئی ہو یا اسکے شوہر کے دل میں غیرت آئے اور وہ اپنی بیوی سے غیرت کھانے لگے حالانکہ ناپاک نہیں ہوئی۔ تو وہ شخص اپنی بیوی کو کاہن کے پاس حاضر کرے اور اس عورت کے چڑھاوے کے لئے ایفہ کے دسویں حصہ کے برابر جو کا آٹا لائے پر اس پر نہ تیل ڈالے نہ لبان رکھے کیونکہ یہ نذر کی قربانی غیرت کی ہے۔ یعنی یہ یادگاری کی نذر کی قربانی ہے جس سے گناہ یاد دلانا جاتا ہے تب کاہن اس عورت کو نزدیک لاکر خداوند کے حضور کھڑی کرے۔ اور کاہن مٹی کے ایک باسن میں مقدس پانی لے اور مسکن کے فرش کی گرد لیکر اس پانی میں ڈالے۔

پھر کاہن اس عورت کو خداوند کے حضور کھڑی کر کے اسکے سر کے بال کھلوادے اور یادگاری کی نذر کی قربانی کو جو غیرت کی نذر کی قربانی ہے اسکے ہاتھوں پر دھرے اور کاہن اپنے ہاتھ میں اس کڑوے پانی کو لے کر جو لعنت کو لاتا ہے پھر کاہن اس عورت کو قسم کھلا کر کہے کہ اگر کسی شخص نے تجھ سے صحبت نہیں کی ہے اور تو اپنے شوہر کی ہوتی ہوئی ناپاکی کی طرف مائل نہیں ہوئی تو تُو اس کڑوے پانی کی تاثیر سے جو لعنت لاتا ہے بچی رہ۔

لیکن اگر تو اپنے شوہر کی ہوتی ہوئی گمراہ ہو کر ناپاک ہو گئی ہے اور تیرے شوہر کے سوا کسی دوسرے شخص نے تجھ سے صحبت کی ہے تو کاہن اس عورت کو لعنت کی قسم کھلا کر اس سے کہے کہ خداوند تجھے تیری قوم میں تیری ران کو سڑا کر اور تیرے پیٹ کو پھلا کر لعنت اور پھٹکار کا نشانہ بنائے۔ اور یہ پانی جو لعنت لاتا ہے تیری انتڑیوں میں جاکر تیرے پیٹ کو

پھلائے اور تیری ران کو سڑائے اور عورت آمین آمین کہے پھر کاہن ان لعنتوں کو کسی کتاب میں لکھ کر انکو اسی کڑوے پانی میں دھو ڈالے۔ اور وہ کڑوا پانی جو لعنت کو لاتا ہے اس عورت کو پلائے اور وہ پانی جو لعنت کو لاتا ہے اس عورت کے پیٹ میں جاکر کڑوا ہو جائیگا۔ اور کاہن اس عورت کے ہاتھ سے غیرت کی نذر کی قربانی کو لیکر خداوند کے حضور اس کو ہلائے اور اسے مذبح کے پاس لائے۔ پھر کاہن اس نذر کی قربانی میں سے اسکی یادگاری کے طور پر ایک مٹھی لیکر اسے مذبح پر جلائے بعد اسکے وہ پانی اس عورت کو پلائے۔ اور جب وہ اسے وہ پانی پلا چکے گا تو ایسا ہو گا کہ اگر وہ ناپاک ہوئی اور اس نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی تو وہ پانی جو لعنت کو لاتا ہے اسکے پیٹ میں جاکر کڑوا ہو جائیگا اور اسکا پیٹ پھول جائیگا اور اسکی ران سڑ جائیگی اور وہ عورت اپنی قوم میں لعنت کا نشانہ بنے گی۔ پر اگر وہ ناپاک نہیں ہوئی بلکہ پاک ہے تو بے الزام ٹھہریگی اور اس سے اولاد ہو گی۔ غیرت کے بارے میں یہی شرع ہے خواہ عورت اپنے شوہر کی ہوتی ہوئی گمراہ ہو کر ناپاک ہو جائے یا مرد پر غیرت سوار ہو۔ اور وہ اپنی بیوی سے غیرت کھانے لگے ایسے حال میں وہ اس عورت کو خداوند کے آگے کھڑی کرے اور کاہن اس پر یہ ساری شریعت عمل میں لائے۔ تب مرد گناہ سے بری ٹھہرے گا اور اس عورت کا گناہ اسی کے سر لگے گا۔"

(گنتی باب 5 آیت 11 تا 31)

جنگی اسیر عورتوں کے بارہ میں استثناء میں لکھا ہے کہ:

"جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کو نکلے اور خداوند تیرا خدا انکو تیرے ہاتھ میں کر دے اور تو انکو اسیر کر لائے۔ اور ان اسیروں میں کسی خوبصورت عورت کو دیکھ کر تو اس پر فریفتہ ہو جائے اور اسکو بیاہ لینا چاہے۔ تو تو اسے اپنے گھر لے آنا اور وہ اپنا سر منڈوائے اور اپنے ناخن ترشوائے اور اپنی اسیری کا لباس اتار کر تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ تک اپنے ماں باپ کے لئے ماتم کرے۔ اسکے بعد تو اسکے پاس جاکر اسکا شوہر ہونا اور وہ تیری بیوی بنے۔" (استثناء باب 21 آیت 10 تا 13)

استثناء میں لکھا ہے:

"اگر کوئی مرد کسی عورت کو بیاہے اور اسکے پاس جائے اور بعد اسکے اس سے نفرت کر کے شرمناک باتیں اسکے حق میں کہے اور اسے بدنام کرنے کے لئے یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا اور جب میں اسکے پاس گیا تو میں نے کنوارے پن کے نشان اس میں نہیں پائے۔ تب اس لڑکی کا باپ اور اسکی ماں اس لڑکی کے کنوارے پن کے نشانوں کو اس شہر کے پھاٹک پر بزرگوں کے پاس لے جائیں۔ اور اس لڑکی کا باپ بزرگوں سے کہے کہ میں نے اپنی بیٹی اس شخص کو بیاہ

دی پر یہ اس سے نفرت رکھتا ہے اور شرمناک باتیں اسکے حق میں کہتا اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے تیری بیٹی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے حالانکہ میری بیٹی کے کنوارے پن کے نشان یہ موجود ہیں۔ پھر وہ اس چادر کو شہر کے بزرگوں کے آگے پھیلادیں۔

تب شہر کے بزرگ اس شخص کو پکڑ کر اسے کوڑے لگائیں۔ اور اس سے چاندی کی سو مثقال جرمانہ لیکر اس لڑکی کے باپ کو دیں اس لئے کہ اس نے ایک اسرائیلی کنواری کو بدنام کیا۔ اور وہ اسکی بیوی بنی رہے اور وہ زندگی بھر اسکو طلاق نہ دینے پائے۔ پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے۔ تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اسکے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے۔۔۔" (استثناء باب 22 آیت 13 تا 21)

احبار میں لکھا ہے:

"اگر کوئی عورت کسی جانور کے پاس جائے اور اس سے ہم صحبت ہو تو تو اس عورت اور جانور کو مار ڈالنا۔ وہ ضرور جان سے مارے جائیں۔" (احبار باب 20 آیت 16)

خروج میں لکھا ہے:

"موسیٰ نے اسرائیل کے سب بزرگوں کو بلوا کر انکو کہا کہ اپنے اپنے خاندان کے مطابق ایک ایک برّہ نکال رکھو اور یہ فسّح کا برّہ ذبح کرنا۔ اور تم زوفے کا ایک گچھا لیکر اس خون میں جو باسن میں ہو گا ڈبونا اور اسی باسن کے خون میں سے کچھ اوپر کی چوکھٹ اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر لگادینا اور تم میں سے کوئی صبح تک اپنے گھر کے دروازہ سے باہر نہ جائے کیونکہ خداوند مصریوں کو مارتا ہوا گذریگا اور جب خداوند اوپر کی چوکھٹ اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر خون دیکھے گا تو وہ اس دروازہ کو چھوڑ جائیگا۔" (خروج باب 12 آیت 21 تا 23)

خروج میں لکھا ہے:

"اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو لونڈی ہونے کے لئے بیچ ڈالے تو وہ غلاموں کی طرح چلی نہ جائے۔ اگر اسکا آقا جس نے اس سے نسبت کی ہے اس سے خوش نہ ہو تو وہ اس کا فدیہ منظور کرے پر اسے یہ اختیار نہ ہو گا کہ اسکو کسی اجنبی قوم کے ہاتھ بیچے کیونکہ اس نے اس سے دغابازی کی۔" (خروج باب 21 آیت 7، 8)

❁❁❁❁❁

انجیل متی کی تفسیر

(ابن مقبول)

پہلا باب:

متی کی انجیل کی ابتداء ایک نسب نامہ سے ہوتی ہے جس کا عنوان ہے:

"یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ"

" یسُوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ

ابراہام سے اضحاق پیدا ہوا اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ اور یہوداہ سے فارص اور زارح تمر سے پیدا ہوئے اور فارص سے حصرون پیدا ہوا اور حصرون سے رام پیدا ہوا۔ اور رام سے عمینداب پیدا ہوا اور عمینداب سے نحسون پیدا ہوا اور نحسون سے سلمون پیدا ہوا۔ اور سلمون سے بوعز راحب سے پیدا ہوا اور بوعز سے عوبید روت سے پیدا ہوا اور عوبید سے یسّی پیدا ہوا۔ اور یسّی سے داؤد بادشاہ پیدا ہوا۔

اور داؤد سے سلیمان اس عورت سے پیدا ہوا جو پہلے اوریاہ کی بیوی تھی۔ اور سلیمان سے رحبعام پیدا ہوا اور رحبعام سے ابیاہ پیدا ہوا اور ابیاہ سے آسا پیدا ہوا۔ اور آسا سے یہوسفط پیدا ہوا اور یہوسفط سے یورام پیدا ہوا اور یورام سے عزّیاہ پیدا ہوا۔ اور عزّیاہ سے یوتام پیدا ہوا اور یوتام سے آخز پیدا ہوا اور آخز سے حزقیاہ پیدا ہوا۔ اور حزقیا سے منسّی پیدا ہوا اور منسّی سے امون پیدا ہوا اور امون سے یوسیاہ پیدا ہوا۔ اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانے میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔

اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے بعد یکونیاہ سے سیالتی ایل پیدا ہوا اور سیالتی ایل سے زربّابل پیدا ہوا۔ اور زربّابل

سے ابیہود پیدا ہوا اور ابیہود سے الیاقیم پیدا ہوا اور الیاقیم سے عازور پیدا ہوا۔ اور عازور سے صدوق پیدا ہوا اور صدوق سے اخیم پیدا ہوا اور اخیم سے الیہود پیدا ہوا۔ اور الیہود سے الیعزر پیدا ہوا اور الیعزر سے متّان پیدا ہوا اور متّان سے یعقوب پیدا ہوا۔ اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے۔

پس سب پُشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ پُشتیں ہُوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابُل جانے تک چودہ پُشتیں اور گرفتار ہو کر بابُل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پُشتیں ہُوئیں۔"(متی باب 1 آیت 1 تا 17)

یہ نسب نامہ ابرہام سے شروع ہوتا ہے اور ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے۔"

اگر اس نسب نامہ کو غور سے پڑھ لیا جائے اور اس پر تحقیق کی جائے تو یہ بات ہی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ کتاب نہ تو خدا کا کلام ہے نہ ہی کسی ایسے انسان کا کلام ہے جس نے تحقیق کر کے اسے ٹھیک لکھا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ عنوان میں تو کہا گیا ہے کہ یہ یسوع کا نسب نامہ ہے مگر بجائے یسوع کے یہ یوسف کا نسب نامہ ہے اور ساری دنیا کے عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ یسوع بے باپ پیدا ہوئے تھے۔ یوسف کے بیٹے نہیں تھے۔ یسوع کی پیدائش کے بعد حضرت مریمؑ کی شادی یوسف سے ہوئی۔ لہٰذا یوسف سے یسوع کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اگر یسوع کا نسب نامہ دینا مقصود تھا تو حضرت مریمؑ کا نسب نامہ دینا چاہیئے تھا۔

دوسری بات اس نسب نامہ میں یہ دیکھنے والی ہے کہ اگر یسوع کا یوسف سے کوئی تعلق نہیں تھا تو پھر یوسف کا نسب نامہ کیوں دیا گیا؟ اس میں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل نویس نے کمال ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ یہود میں یہ خیال عام رائج تھا کہ آنے والا مسیح حضرت داؤدؑ کی نسل سے ہو گا۔ اب اگر یسوع کو مسیح ثابت کرنا مقصود تھا تو یہود کو قائل کرنے کے لئے ان کو داؤد کی نسل سے ثابت کرنا ضروری تھا۔ مگر یسوع داؤد کی نسل سے نہیں تھے۔ کیونکہ وہ مریم کے بیٹے تھے اور **مریم جیسا کہ ابھی آگے ذکر آئے گا داؤد کی نسل سے نہیں تھیں۔** لہٰذا ایک پیشگوئی کو (جس کی رو سے آنے والا مسیح داؤد کی نسل سے ہو گا) یسوع پر چسپاں کرنے کے لئے بجائے مریم کے یوسف کا نسب نامہ درج کر دیا گیا۔

آنے والے مسیح کے حضرت داؤدؑ کی نسل سے ہونے کی پیشگوئی کی بناء پر حضرت مسیحؑ کے زمانے میں بالعموم یہی سمجھتے تھے کہ آنے والا مسیح داؤد کی نسل سے ہو گا۔ مگر بعض یہودی یہ کہتے تھے کہ آنے والا مسیح حضرت داؤدؑ کے بیٹے **حضرت سلیمانؑ کی نسل** سے ہو گا اور بعض یہ سمجھتے تھے کہ آنے والا مسیح **حضرت داؤدؑ کے بیٹے ناتن کی اولاد** سے ہو گا۔ اب

دیکھئے متی اور لوقا کے انجیل نویس کس ہوشیاری سے کام لیتے ہیں متی کے انجیل نویس نے یسوع کو ابن داؤد ثابت کرنے کے لئے جو نسب نامہ بنایا ہے اس میں لکھا ہے:

"داؤد سے سلیمان اس عورت سے پیدا ہوا جو پہلے اوریاہ کی بیوی تھی۔" (متی باب 1 آیت 6)

اس کے بالمقابل لوقا نے بھی ایک نسب نامہ باب 3 میں دیا ہے:

"جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا اور (جیسا کہ سمجھا جاتا تھا) یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا۔ اور وہ متّات کا اور وہ لاوی کا اور وہ ملکی کا اور وہ ینّا کا اور وہ یوسف کا۔ اور وہ متّتیاہ کا اور وہ عاموس کا اور وہ ناحوم کا اور وہ اسلیاہ کا اور وہ نوگہ کا۔ اور وہ ماعت کا اور وہ متّتیاہ کا اور وہ شمعی کا اور وہ یوسیخ کا اور وہ یوداہ کا۔ اور وہ یوحنّا کا اور وہ ریسا کا اور وہ زربابل کا اور وہ سیالتی ایل کا اور وہ نیری کا۔ اور وہ ملکی کا اور وہ اَدّی کا اور وہ قوسام کا اور وہ المودام کا اور وہ عیر کا۔ اور وہ یشوع کا اور وہ الیعزر کا اور وہ یوریم کا اور وہ متات کا اور وہ لاوی کا۔ اور وہ شمعون کا اور وہ یہوداہ کا اور وہ یوسف کا اور وہ یونان کا اور وہ الیاقیم کا۔ اور وہ ملے آہ کا اور وہ مناہ کا اور وہ متّتاہ کا اور وہ ناتن کا اور وہ داؤد کا۔"

(لوقا باب 3 آیت 23 تا 31)

اس کی آیت 31 میں بجائے حضرت سلیمانؑ کے بیٹے ناتن کا ذکر ہے۔ اب دیکھئے کہ دونوں انجیل نویس یسوع کو ابن داؤد ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہودیوں کا پرانے عہد نامہ کی پیشگوئیوں کی بناء پر یہ خیال ہے کہ آنے والا مسیح داؤد کی نسل سے ہوگا۔ دونوں جانتے ہیں کہ یسوع داؤد کی نسل سے نہیں ہیں کیونکہ وہ مریم کے بیٹے تھے اور **مریم داؤد کی نسل سے نہیں تھیں**۔ بعض یہودی کہتے ہیں کہ مسیح داؤد کے بیٹے سلیمان کی نسل سے ہوگا۔ لہٰذا متی کے انجیل نویس نے وہ نسب نامہ تراشا ہے جس میں اس کو سلیمان کی نسل سے قرار دیا گیا ہے۔ بعض یہودی کہتے ہیں کہ مسیح داؤد کے بیٹے ناتن کی نسل سے ہوگا لہٰذا لوقا کے انجیل نویس نے وہ نسب نامہ تراشا ہے جس میں یسوع کو ناتن کی نسل سے قرار دیا گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دونوں نسب نامے یسوع کے نہیں ہیں بلکہ ان کے فرضی باپ کے ہیں۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ **یسوع کے دو ^{2} نسب نامے نئے عہد نامہ میں ہیں**۔ دونوں میں یسوع کو مسیح ثابت کرنے کے لئے ان کو داؤد کی نسل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ پرانے عہد نامہ کی پیشگوئی یا مزعومہ پیشگوئی کو یسوع پر چسپاں کیا جاسکے ان دونوں نسب ناموں کے لکھنے والوں نے اپنے اپنے ماحول کے مطابق پیشگوئی کو چسپاں کرنے کے لئے یہ

اختلاف کیا ہے کہ یسوع حضرت داؤدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کی اولاد تھے یا ناتن کی۔

اس اختلاف کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مگر اس کے علاوہ بھی ان دونوں نسب ناموں میں اختلافات ہیں۔ متی کے نسب نامے میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت داؤدؑ تک چودہ پشتیں تھیں اور حضرت داؤدؑ سے بنی اسرائیل کے گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور پھر گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔

گویا اگر یہ حساب درست ہے تو متی کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم سے لے کر حضرت مسیح تک 42 پشتیں ہوئیں۔ مگر لوقا کے نسب نامے میں حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت مسیحؑ تک 56 پشتیں لکھی گئی ہیں اور حضرت سلیمانؑ اور ناتن کے ناموں کا اختلاف کی طرح دونوں نسب ناموں کے ناموں میں بہت سے اختلافات ہیں۔

متی کے نسب نامے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت داؤدؑ تک چودہ پشتیں اور حضرت داؤدؑ سے بابل جانے تک چودہ پشتیں اور بابل کی گرفتاری سے لے کر یسوع تک چودہ پشتیں ہوئی مگر یہ بیان درست نہیں کیونکہ بابل کی گرفتاری سے لے کر یسوع تک 13 نام ہیں نہ کہ چودہ۔

کسی ذوقی وجہ سے متی کے نسب نامے کے منصف نے ان تین ادوار میں چودہ چودہ پشتیں قرار دی ہیں مگر اس شوق میں کہ ہر دور میں چودہ پشتیں قرار دی جائیں پرانے عہد نامہ سے بھی (جو وہ بھی مسیحیوں کے نزدیک الہامی کتاب ہے) اختلاف کیا ہے اور متی کے انجیل نویس نے لکھا ہے ”یہوسفط سے یورام پیدا ہوا اور یورام سے عزیاہ پیدا ہوا۔“ (متی باب 1 آیت 8) جبکہ ایک تواریخ باب 3 آیت 11،12 میں لکھا ہے:

”یورام اس کا بیٹا اخزیاہ اور اس کا بیٹا یوآس اور اس کا بیٹا اوصیاہ اور اس کا بیٹا عزیاہ۔“

گویا متی کے انجیل نویس نے یورام اور عزیاہ کے درمیان تین نام حذف کر دیئے ہیں اسی طرح متی سے آیت 11 میں یوسیاہ کے بیٹے الیاقیم کا نام حذف کر دیا ہے جس کا ذکر 2 سلاطین باب 23 آیت 34 میں موجود ہے گویا نیا عہد نامہ جو الہامی کتاب سمجھا جاتا ہے پرانے عہد نامہ سے جو الہامی کتاب یقین کیا جاتا ہے اختلاف کرتا ہے۔

متی اور لوقا کے نسب ناموں میں اختلافات کو مد نظر رکھ کر The Rev. J. R. Dummelow جو جابجا اپنے پختہ عیسائی ہونے کا اظہار کرتے ہیں یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں:

“The genealogies are not inspired documents they are the work of Jewish pedigree makers who did their best to fill the

gaps of records which were frequently fragmentary.”[1]

نسب نامے الہامی دستاویزات نہیں ہیں۔ یہ یہودی نسب سازوں کا کام ہے جنہوں نے نامربوط ریکارڈ کے خلا کو پُر کرنے کے لیے اپنی کوشش کی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پادری ڈم میلو صاحب اور ان کے ہم نوا مسیحی کس طرح اس کتاب کو Holy اور خدا کا کلام کہہ سکتے ہیں جبکہ اس میں ان لوگوں کا کلام بھی داخل ہے جو انکے مخالف یہود سے تعلق رکھتے تھے۔

انجیل نویسوں نے جو یہ زور لگایا ہے کہ یسوع حضرت داؤدؑ کی نسل سے ثابت کریں اور اس کے لئے دو نسب نامے تراشے ہیں جو دونوں یسوع کے یا ان کی والدہ مریم کے نہیں بلکہ مریم کے خاوند یوسف کے ہیں اور یہ دونوں نسب نامے آپس میں ٹکراتے ہیں اور ایک بظاہر نظر بددیانتی ان میں یہ نظر آتی ہے کہ یہود کے باہمی اختلاف کی وجہ سے کہ مسیح داؤد کے کس بیٹے کی نسل سے ہوگا سلیمان کی نسل سے یا ناتن کی نسل سے دو انجیل نویسوں نے الگ الگ نسب نامے بنائے ہیں اور پھر یہ دونوں نسب نامے پرانے عہد نامے سے بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ اس کوشش کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یسوع چونکہ داؤد کی نسل سے نہیں تھے اور یہود پرانے عہد نامہ کی پیشگوئیوں کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ وہ داؤد کی نسل سے ہوں گے اور یہود یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ یسوع ہرگز صحیح نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ داؤد کی نسل سے نہیں ہیں۔ چنانچہ متی نے باب 22 میں حضرت مسیحؑ پر اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

”اور جب فریسی جمع ہوئے تو یسوع نے ان سے پوچھا کہ تم مسیح کے حق میں کیا سمجھتے ہو؟ وہ کس کا بیٹا ہے؟ انہوں نے اس سے کہا داؤد کا اس نے ان سے کہا پس داؤد روح کی ہدایت سے کیونکر اسے خداوند کہتا ہے کہ خداوند نے میرے خداوند سے کہا۔ میری دہنی طرف بیٹھ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی نہ کردوں۔ پس جب داؤد اس کو خداوند کہتا ہے تو وہ اس کا بیٹا کیونکر ٹھہرا اور کوئی اس کے جواب میں ایک حرف نہ کہہ سکا اور نہ اس دن سے پھر کسی نے اس سے سوال کرنے کی جرأت کی۔“ (متی باب 22 آیات 41 تا 46)

اب دیکھئے کمال نئے عہد نامہ کا۔ حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ الہام کی رو سے حضرت داؤدؑ نے آنے والے مسیح کے لئے جو لفظ بولا ہے اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ مسیح داؤد کا بیٹا <u>نہیں</u> ہوگا مگر انجیل نویس یسوع کو داؤد کا بیٹا قرار دینے کے لئے

[1] The Rev. J. R. Dummellow, A Commentary on the Holy Bible. 1909, Published by The Macmillan Company, New York Under Word, Genealogy of Jesus p: 622

نسب نامے تراشتے ہیں جو آپس میں مختلف ہیں۔ اندرونی تضاد بھی رکھتے ہیں۔ پرانے عہد نامہ سے بھی (جو خدا کا کلام ہے) تضاد رکھتے ہیں اور پھر ان دونوں سے ثابت بھی نہیں ہوتا کہ یسوع ابن داؤد ہے کیونکہ دونوں نسب نامے یوسف کے ہیں جو یسوع کے باپ نہیں تھے۔ اور یہ مضمون مرقس کے باب 12 اور لوقا کے باب 20 میں بھی موجود ہے اور اس اعتراض کی طرف اشارہ یوحنّا کے باب 7 آیت 42 میں بھی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے یوسف کا نسب نامہ جو یسوع کے فرضی باپ تھے متی اور لوقا کے انجیل نویسوں نے اس لئے دیا ہے کہ یسوع صرف مریم کے بیٹے تھے اور مریم کے متعلق خواہ کھل کر اقرار نہ کریں انجیل نویس جانتے تھے کہ وہ داؤد کی نسل سے نہیں ہیں اس لئے انہوں نے مریم کا نسب نامہ نہیں دیا۔

اگر مریم داؤد کی نسل سے ہوتیں تو پیشگوئی چسپاں کرنے کے شوق میں یہ انجیل نویس فوراً مریم کا نسب نامہ دے کر یسوع کو ابن داؤد ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ مریم کے داؤد کی نسل نہ ہونے کا واضح ذکر تو اناجیل میں نہیں ہے مگر لوقا کے پہلے ابواب سے اشارہ یہی ملتا ہے کہ حضرت مریمؑ لاوی قبیلہ سے تھیں حضرت داؤدؑ کے قبیلہ یہوداہ سے نہیں تھیں۔

Rev. Dummellow جیسے پرجوش عیسائی بھی اس بارہ میں شک کا اظہار کرتے ہیں کہ مریم داؤد کی نسل سے تھیں۔ لکھتے ہیں:

"His Davidic descent through Mary is more doubtful….."[1]

کہ یسوع کا داؤد کی نسل سے حضرت مریمؑ کے ذریعہ ہونا زیادہ مشتبہ ہے۔

(جاری ہے)

❁❁❁❁❁

[1]The Rev. J. R. Dummellow, A Commentary on the Holy Bible. 1909, Published by The Macmillan Company, New York Under Word, Genealogy of Jesus p: 622, 623

قرآن، بائبل اور آثار قدیمہ:

معجزہ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کی حقیقت

(ایم۔ ایم۔ گلفام)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں کے بیان میں سمندر پھاڑ کر فرعون کے مظالم سے نجات دینے کا بار بار ذکر فرمایا ہے یہ معجزہ اپنی ذات میں بہت ہی اعلیٰ تھا جسے آنحضرت ﷺ کی زبانی بنی اسرائیل کو یاد دلایا گیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کے بعض پہلوؤں کو بہت ہی عمدگی سے بیان کیا ہے جو قرآن کریم کے اعجاز پر دال ہیں۔ اہل کتاب اور مسلمانوں میں صدیوں سے اس معجزہ کے جغرافیائی مقام بارے تحقیقات ہوتی رہیں اور اب تک ہو رہی ہیں اسی طرح ماضی میں بہت سے مفسرین بائبل اور مفسرین قرآن نے اس معجزہ کی حقیقت سمجھنے کی بجائے اسے دیومالائی، غیر فطرتی اور قانون قدرت کے برخلاف قصہ کہانیوں کے طور پر پیش کیا ہے۔
اس زمانہ کے حکم عدل حضرت اقدس مسیح موعودؑ اور آپؑ کے خلفاء نے اس معجزہ کا صحیح اور حقیقی فہم دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اس معجزہ کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ ذیل میں اسے تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی عمر کے آخری حصہ میں اپنے خاندان کے ساتھ مصر میں حضرت یوسفؑ کے پاس جا کر بس گئے۔ مصر میں اس خاندان نے چار نسلوں تک قیام کیا۔ چوتھی نسل حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں مصر سے ہجرت کر کے کنعان کی طرف چلی راستہ میں معجزانہ طور پر سمندر کا ایک حصہ پار کیا اور دشتِ سیناء میں آ گئے۔ بنی اسرائیل کی ہجرت خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی اس کی بنیادی وجہ فرعون کے مظالم تھے۔ چنانچہ جب فرعون اور اس کی قوم حضرت

موسیٰؑ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے دیئے گئے تمام تر نشانات کے باوجود ظلم و تشدد اور کفر وعصیان میں انتہاؤں کو پہنچنے لگے اور بنی اسرائیل کو وہاں قیام ناممکن ہو گیا۔ تو خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا:

وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى۔ (طٰہٰ: 78)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی تھی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے چل اور ان کے لئے سمندر میں ایسی راہ اختیار کر جو خشک ہو نہ تجھے پکڑے جانے کا خوف ہو گا اور نہ تو ڈرے گا۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۔ (الشعراء: 53)

ترجمہ: اور ہم نے موسی کی طرف وحی کی کہ رات کو کسی وقت ہمارے بندوں کو یہاں سے لے چل یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۔ (الدخان: 24)

ترجمہ: پس تو میرے بندوں کو ساتھ لے کر رات کے وقت روانہ ہو یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

لہٰذا بنی اسرائیلی رات کے وقت حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں مصر سے نکلے ہیں۔

بائبل روانگی کے حالات یوں بیان کرتی ہے:

”اور آدھی رات کو خُداوند نے ملک مصر کے سب پہلوٹھوں کو فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اُس کے پہلوٹھے سے لے کر وہ قیدی جو قید خانہ میں تھا اُس کے پہلوٹھے تک بلکہ چوپایوں کے پہلوٹھوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ اور فرعون اور اُس کے سب نوکر اور سب مصری رات ہی کو اُٹھ بیٹھے اور مصر میں بڑا کہرام مچا کیونکہ ایک بھی ایسا گھر نہ تھا جس میں کوئی نہ مرا ہو۔

تب اُس نے رات ہی رات میں موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم بنی اِسرائیل کو لے کر میری قوم کے لوگوں میں سے نکل جاؤ اور جیسا کہتے ہو جا کر خداوند کی عبادت کرو۔ اور اپنے کہنے کے مطابق اپنی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل بھی لیتے جاؤ اور میرے لئے بھی دعا کرنا۔ اور مصری ان لوگوں سے بضد ہونے لگے تا کہ ان کو ملک مصر سے جلد باہر چلتا کریں کیونکہ وہ سمجھے کہ ہم سب مر جائیں گے۔ سو اِن لوگوں نے اپنے گندھے گندھائے آٹے کو بغیر خمیر دئے لگنوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر دھر لیا۔ اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے۔“ (خروج باب 12 آیت 29 تا 36)

اس جگہ قرآن کریم کا بائبل سے واضح اختلاف ہے۔ بائبل کے نزدیک فرعون اور اس کی قوم نے پہلوٹھوں کی موت سے ڈر کر اسرائیلیوں کو خود بھیجا کیونکہ وہ پہلوٹھوں کی موت، بنی اسرائیل کو مصر سے نہ جانے کے سبب سمجھ رہے تھے۔

قرآن کریم بتا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو الہاماً حکم دیا تھا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر چل نیز خدا نے یہ بھی تسلی دی کہ تمہارا پیچھا تو کیا جائے گا مگر تو اس سے نہ ڈر۔ رات کے وقت نکلنے کا حکم دینا، پھر پیچھا کئے جانے کا بتانا یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ بنی اسرائیل از خود حکمت سے رات کو چپکے سے نکلے تھے۔ اسی مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ ہُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ۔ (البقرہ: 244)

ترجمہ: کیا تجھے ان لوگوں کی اطلاع نہیں جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیلی موت کے ڈر سے وہاں سے نکلے تھے نہ کہ نکالے گئے۔ کیونکہ جس کو غلامی سے آزادی مل رہی ہو وہ بجائے موت کے ڈر سے خوش ہوا کرتا ہے۔

بائبل کا مؤقف کئی لحاظ سے کمزور ثابت ہوتا ہے مثلاً فرعون خود اجازت دیتا ہے نیز مصری لوگ اپنا سامان، ریوڑ وغیرہ بھی ساتھ دیتے ہیں تا بنی اسرائیل آسانی سے چلے جائیں اور ان کو راستہ میں مشکل نہ ہو۔ گذشتہ رات پہلوٹھوں کی موت کے سبب پورے ملک میں کہرام مچ جانے کی وجہ سے بنی اسرائیل کو بھیجنا اور صبح ہوتے ہی مصریوں کو یہ احساس ہونا کہ ہم نے اسرائیلیوں کو مصر سے بھیج کر غلطی کی ہے لہٰذا پہلوٹھوں کی تدفین کی بجائے ساری فوج کا بنی اسرائیل کو پکڑنے کے لئے پیچھے لگ جانا یہ سب باتیں ایک کہانی میں ہی صحیح لگتی ہیں۔

الغرض قرآن کریم کے مطابق بنی اسرائیل رات کے ابتدائی حصہ [1] میں چپکے سے نکلے ساری رات سفر کیا۔ جب صبح فرعونیوں کو اس بارے علم ہوا تو وہ سیخ پا ہوئے۔ اپنے اسی غیض وغصہ میں فرعون اپنے مختلف شہروں میں فوج کو اکٹھا کرنے کے لئے آدمی بھیجتا ہے۔ فرعون کی اس حالت کا قرآن کریم یوں ذکر کرتا ہے:

فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَۃٌ قَلِیۡلُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِنَّہُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِیۡعٌ حٰذِرُوۡنَ۔ (الشعراء: 54 تا 57)

ترجمہ: پس فرعون نے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیجے (یہ اعلان کرتے ہوئے کہ) یقیناً یہ لوگ ایک کم

---

[1] اقرب الموارد میں ہے کہ: "قیل اَسرَی لاوّل لیلٍ وسَرَی لِآخر لیلٍ۔ "یعنی اَسرَی کا فعل رات کے ابتدائی حصہ میں چلنے کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور سَرَی کا فعل رات کے آخری حصہ میں چلنے پر۔ (اقرب الموارد، زیر لفظ سری)

تعداد حقیر جماعت ہیں اور اس کے باوجود یہ ضرور ہمیں طیش دلا کر رہتے ہیں جبکہ ہم سب یقیناً چوکس رہنے والے ہیں۔[1]

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ۔(الشعراء: 61)

ترجمہ: پس وہ نُور کے تڑکے ان کے پیچھے لگ گئے۔

نیز فرمایا: فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ۔(طٰہٰ: 79)

ترجمہ: پس فرعون نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔

الغرض قرآن کریم کے بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امور سامنے آتے ہیں کہ بنی اسرائیل مصر سے رات کے ابتدائی حصہ میں چپکے سے نکلے۔ صبح جب فرعون کو پتا چلتا ہے تو وہ فوج کو اکٹھا کرنے کے لئے شہروں میں پیغام بھجواتا ہے جب فوجیں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو فرعون نے اپنا لاؤ لشکر لے کر غالباً اگلی صبح نور تڑکے اسرائیلیوں کا پیچھا کرنا شروع کیا۔

بائبل میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

”جب مصر کے بادشاہ کو خبر ملی کہ وہ لوگ چل دیئے تو فرعون اور اُس کے خادموں کا دل اُن لوگوں کی طرف سے پھر گیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ کیا کیا کہ اسرائیلیوں کو اپنی خدمت سے چھٹی دے کر اُن کو جانے دیا۔ تب اُس نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اپنی قوم کے لوگوں کو ساتھ لیا۔ اور اُس نے چھ سو چنے ہوئے رتھ بلکہ مصر کے سب رتھ لیے اور ان

---

[1] فرعون کے اس قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسے اپنی انٹیلی جنس کی ناکامی کا شدت سے احساس ہوا جس کے سبب بنی اسرائیل ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اور انہیں پتا بھی نہ چلنے دیا۔ فرعون کا یہ قول اس کے تکبر پر دال ہے۔ اگر جدید تحقیقات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ان کا سکیورٹی سسٹم نہایت مربوط اور اعلیٰ تھا۔ موجودہ زمانہ میں کثرت سے کھدائیوں کے نتیجہ میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ رعمسیس ثانی کے دور میں مصری نظام حکومت اس قدر مضبوط تھا کہ ملکی حفاظت کے لئے ساری سرحدوں پر حفاظتی قلعوں کا جال بچھا ہوا تھا جہاں باقاعدہ فوج تعینات ہوتی تھی خصوصاً ڈیلٹا کے علاقہ میں جہاں مصر کی مشرقی ریاستوں سے رابطہ کے لئے واحد شاہراہ تھی۔ ان قلعوں کا آپس میں بڑا مضبوط رابطہ رہتا تھا اس لئے اگر کوئی شخص مصر سے بھاگنا چاہتا تو بڑی آسانی کے ساتھ پکڑا جا سکتا تھا۔ اپنے اسی زعم میں فرعون نے کہا کہ ہم تو ہر وقت چوکس رہنے والے ہیں بنی اسرائیل بھی اس سے آگاہ ہیں اس کے باوجود انہوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ یہ تو ایک چھوٹی سی جماعت ہیں اور اپنے ان کاموں کے سبب ہمیں غصہ دلا رہی ہے۔ چنانچہ James Hoffmeier لکھتا ہے:

"Evidence is now emerging that during the Ramesside era a line of forts extended from the western Delta all the way to near the present-day Libyan border, much as there was a line of forts from the eastern Delta across Sinai and into southern Canaan."

(The Ancient Israel in Sinai: by: James Hoffmeier, P:154. Oxford University Press.2005)

ترجمہ: اب اس بات کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ Ramesside دور میں قلعوں کی ایک دیوار مغربی ڈیلٹا سے موجودہ لیبیا کی سرحد کے قریب تک پھیلی ہوئی تھی بالکل اسی طرح ہی جیسا کہ قلعوں کی ایک دیوار جو مشرقی ڈیلٹا سے سیناء کے اس پار اور جنوبی کنعان میں پھیلی ہوئی تھی۔

سبھوں میں سرداروں کو بٹھایا۔اور خداوند نے مصر کے بادشاہ فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور اُس نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا کیونکہ بنی اسرائیل بڑے فخر سے نکلے تھے۔اور مصری فوج نے فرعون کے سب گھوڑوں اور رتھوں اور سواروں سمیت اُن کا پیچھا کیا اور اُن کو جب وہ سمندر کے کنارے فیہ خیروت کے پاس بعل صفون کے سامنے ڈیرا لگا رہے تھے جا لیا۔"
(خروج باب 14 آیت 5 تا 9)

بائبل کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیلی پہلے مہینہ[1] کی پندرہ تاریخ کو رات کے آخری پہر میں نکلے۔ صبح ہوتے ہی فرعون کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور بجائے پہلوٹھوں کی تجہیز و تدفین کے اپنی چھ سو رتھوں کو لے کر تیس، پینتیس لاکھ کے لشکر کو روکنے کے لئے نکلتا ہے۔

اصل راستہ کی تعیین میں درکار مشکلات:

اس جگہ بنی اسرائیل کے اس راستہ کی تلاش کا معاملہ آجاتا ہے جس پر چلتے ہوئے وہ کنعان کی طرف گئے۔

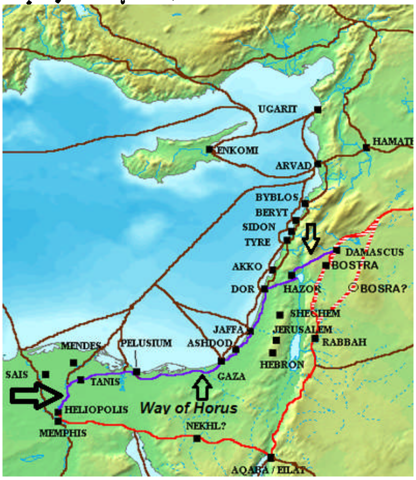

قدیم مصر کی ایک شاہراہ

اس حوالے سے یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے راستہ کی مکمل تفاصیل مذکور نہیں۔(قرآن کریم ایک ہدایت کی کتاب ہے نہ کہ جغرافیہ کی کہ اس سفر کی مکمل تفاصیل بتاتا۔اس لئے قرآن میں جتنی تفاصیل کسی کی ہدایت کے لئے ضروری تھیں درج کر دی گئیں۔ نیز ان جزئیات کا بیان ہونا یا نہ ہونا کوئی ایسا امر نہیں تھا کہ جس کے بغیر شریعت کی تکمیل میں کوئی حرف آتا ہو قرآن ایک شریعت کی کتاب ہونے کے ناطے ہر اس بات کو درج کرتا ہے جس سے ہدایت کی راہ کھلتی ہو۔) حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ بنی اسرائیل کے سمندر پار کر کے کنعان جانے کے بارے میں

[1] یہودی کیلنڈر کے پہلے مہینہ کا نام "ابیب" ہے۔اس کا دوسرا نام "نیسان" بھی ہے۔(کتابِ مقدس مطالعاتی اشاعت صفحہ 902)

فرماتے ہیں:

"وہ شمال کی طرف سے گئے یا وسط سے یا جنوب سے۔ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتا۔"[1]

اس کے برعکس بنی اسرائیل نے ہجرتِ کنعان کے سلسلہ میں جو راستہ اختیار کیا بائبل بڑی تفصیل سے اس کی جزئیات کا ذکر کرتی ہے۔ مگر ان میں بھی بہت زیادہ پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں۔ جس کی کئی وجوہات سامنے آتی ہیں۔ مثلاً

ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ بنی اسرائیل اس وقت کی معروف شاہراہ (Way of Horus) جو کہ موجودہ زمانہ میں درب السلطان کے نام سے مشہور ہے[2] سے ہٹ کر ایک غیر معروف راستہ سے گئے جس کی منازل معین کرنا مشکل ہے۔

Hoffmeier لکھتا ہے:

According to Exodus 13:17, supposedly E's version of events, the Israelites did not depart by the expected route to Canaan from the eastern Delta, that is, ''the Way of the land of the Philistines.[3]

مفہوماً ترجمہ: خروج 13:17 کے مطابق، (Elohim[4] "الوہیم" مخطوطے) میں مجوزہ مراحل کی رو سے) اسرائیلی مشرقی ڈیلٹا سے کنعان کی طرف جانے والی معروف شاہراہ پر نہیں گئے۔ جو "فلستیوں کے ملک کی شاہراہ" کہلاتی ہے۔

اسی امر کا خروج باب 13 آیت 17 میں بھی ذکر موجود ہے۔

دوم: اس راستہ میں بعض مقامات تو ایسے آتے ہیں جو بنی اسرائیل نے خود وہاں کے موسم یا جغرافیائی حالات یا کسی واقعہ کی یاد میں رکھ لئے جو کہ صرف اسرائیلیوں کے لئے ہی پہچان ہو سکتے تھے۔ دوسرے تہذیبوں میں ان ناموں کا رواج نہیں ہوا مثلاً جزیرہ نما سیناء میں ایک جگہ بنی اسرائیلوں کو پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے لڑائی جھگڑا کیا اور شک کیا کہ خدا ہماری مدد کے لئے ہمارے درمیان ہے کہ نہیں۔ ان کے اس جھگڑے اور شک کی بنا پر اس جگہ کا نام "مسّہ" اور "مریبہ" رکھ دیا۔ (خروج باب 17 آیت 1 تا 7) پھر ایک جگہ ان کو ایک ایسا چشمہ ملا جس کا پانی کڑوا تھا لہذا انہوں نے اس جگہ کا نام "مارہ" رکھ دیا جس کا مطلب کڑوا ہوتا ہے۔ (خروج باب 15 آیت 23، 22)

---

1 تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ المسیح الثانیؓ، جلد 1 صفحہ 426 ضیاء الاسلام پریس ربوہ

2 The Geographical and Topographical Texts of the Old Testament, edited by: A.A. Kampman, p:241

3 .The Ancient Israel in Sinai: Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:50. Oxford University Press.2005

4 حضرت سلیمان کے بعد بنی اسرائیل دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک شمالی حکومت اور دوسری جنوبی۔ شمالی حکومت کے صحائف میں خدا کے لئے الوہیم جبکہ جنوبی حکومت کے صحائف میں خدا کے لئے یہوواہ کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ اس مناسبت سے ان صحائف کا نام Elohim Scripture اور Jehovah Scripture رکھا گیا۔ ناقل

سوم: یہ واقعہ ساڑھے تین ہزار سال پرانا ہے۔ جس میں مقامات کے نام شاید وقت کے ساتھ ساتھ زبانِ خلائق میں تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ یا پھر جب یہ واقعات تحریر میں آئے تو کاتبین نے اپنے قیاسات کی بناء پر لوگوں کو سمجھانے کی غرض سے مختلف جگہوں کے اسماء کو اس وقت کے مروجہ ناموں میں تبدیل کر دیا جس سے اصل ناموں میں پائے جانے والے اشارات چھپ گئے۔ جبکہ کاتبین کے قیاس غلط بھی ہوسکتے ہیں۔ مشہور کینیڈین آرکیالوجسٹ و ماہر مصریات Redford کی تحقیق کے مطابق واقعہ خروج میں مستعمل ہونے والی جغرافیائی اصطلاحات کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھٹی صدی عیسوی کی ہیں۔[1] اس امر سے محققین کو انکار نہیں ہے۔

چہارم: یہ کہ اتنے لمبے عرصہ سے ان تمام غیر معروف اسماء کو مع ان کے جغرافیہ کے یاد رکھنا ناممکن سا لگتا ہے۔

پنجم: بنی اسرائیل جزیرہ نما سیناء میں چالیس سال رہے اس کا اکثر حصہ صحرا پر مشتمل ہے۔ صحرائی علاقے میں ریتلے ٹیلے اپنی جگہیں تبدیل کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے صحرا میں جگہوں کی تعیین کرنا مشکل ہوتی ہے۔

معروف راستہ اختیار نہ کرنے کی وجوہات:

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں اسرائیلیوں نے معروف راستہ کو چھوڑ کر ایک غیر معروف اور کٹھن راستہ کو اختیار کیا۔ یہ معروف رستہ ”فلستیوں کے ملک کا رستہ“ کہلاتا تھا۔ مصریوں نے اس شاہراہ کا نام اپنے ایک دیوتا Horus کے نام پر Way of Horus رکھا تھا۔ اگر بنی اسرائیل اس رستہ کو اختیار کرتے تو کنعان 150 سے 200 میل سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تھا۔ مگر بنی اسرائیل اس رستہ کو چھوڑ کر ایک ایسے رستہ پر گئے جو نہ صرف غیر معروف، کٹھن، اور دشوار گزار تھا بلکہ اس پر ضروریات زندگی بھی نہایت محدود تھیں۔

اس کی **اول** وجہ تو یہ ہے کہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ ابتداء سے لے کر آخر تک خدا تعالیٰ ہر موقع پر حضرت موسیٰؑ کو الہاماً سارے حالات و واقعات کے بارے میں راہنمائی کر رہا تھا۔ ہجرت کے وقت بھی خدا تعالیٰ نے آپؑ کو نہ صرف ہجرت کا وقت بلکہ سمت تک بتائی کہ سمندر کے رستہ سے جاؤ۔ اس پر مستزاد یہ کہ خدا تعالیٰ نے: وَ اتۡرُکِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا۔ (الدخان: 25) کہہ کر جزر کی حالت میں سمندر پار کرنے کا بھی بتایا۔ جب اس قدر الٰہی راہنمائی حاصل ہو رہی ہو تو کیسے خدا تعالیٰ ان کو ایسے رستہ سے لے کر جا سکتا تھا جو اگرچہ نزدیک اور آسان ہونے کے ان کے لئے مشکل پیدا کر سکتا تھا۔

دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے اس لئے نکال کر لا رہا تھا کہ ان میں توحید کا قیام کرے

[1]. The Ancient Israel in Sinai: Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:54-55. Oxford University Press.2005

کیونکہ مصر میں رہ کر ان میں توحید کے نقوش مٹ چکے تھے۔ بچھڑا بنانے کا واقعہ اس کی واضح مثال تھا۔ نیز اس کے لئے اس نے انہیں ایک شریعت عطا کرنی تھی جس کے ذریعہ وہ اپنی اخلاقی، ذہنی جسمانی اور معاشرتی تربیت کرتے۔ تو جیسا کہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو انعامات سے نوازنے سے پہلے آزماتا ہے: لِيَمِيۡزَ اللّٰهُ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔(الانفال: 38) اس لئے خدا نے ان کو اس عمل سے گزارنا تھا لہٰذا خدا تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کے انعامات سے نوازا جس میں کوتاہی کے سبب ان کو سزا ملی اور خدا تعالیٰ نے ان کو باقی تمام دنیا سے قطع کر کے چالیس سال صحرا میں رکھا۔ ان کی اور ان کی اولادوں کی تربیت کی نیز دوسری قوموں سے لڑنے کے لئے نئی نسل کو ذہنی اور جسمانی لحاظ سے تیار کیا۔

تیسری وجہ ہمیں بائبل سے پتا چلتی ہے کہ اس شاہراہ پر فلستی آباد تھے۔(جو جنگی لحاظ سے کافی مضبوط قوم تھے۔ ناقل)بسبب اس کے کہ اسرائیلی ان سے جنگ کے ڈر سے گھبرا نہ جائیں خدا تعالیٰ ان کو اس رستہ کی بجائے بیابان کے رستہ سے لے کر گیا۔(خروج باب 13 آیت 18) بائبل کی بیان کردہ وجہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر بنی اسرائیل اس راستے کو اختیار کرتے تو کنعان میں داخلے کے لئے جنگ لڑنی پڑنی تھی۔ جس کے لئے ابھی ان کی کوئی تیاری نہ تھی۔

چوتھی ممکنہ وجہ تاریخ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ شاہراہ قدیم سے مصر اور مشرقِ وسطیٰ کی ریاستوں میں تجارتی اور فوجی کاموں کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ رعمسیس ثانی کے دور میں اس شاہراہ پر مصریوں کا قبضہ تھا۔ یہ شاہراہ مصر کے دارالحکومت سے شروع ہو کر دمشق تک جاتی تھی۔ اس شاہراہ کا جو حصہ مصریوں کے قبضہ میں تھا وہاں انہوں نے تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر قلعے بنائے ہوئے تھے ان قلعوں میں باقاعدہ فوجی تعینات ہوتے تھے ان قلعوں کے آپس میں بڑے مضبوط رابطے ہوتے تھے۔ 1980ء میں ماہرین آثارِ قدیمہ کو مصریوں کا ایک قلعہ کے آثار ملے ہیں۔ مصری تحریرات میں اس قلعہ کا نام "Tjaru" درج ہے۔ یہ قلعہ مصر سے کنعان کی طرف جاتے ہوئے اسی شاہراہ پر ایشیاء کے سنگم پر واقع ہے یہ قلعہ اپنی بلندی اور حفاظتی نکتہ نگاہ سے اپنی مثال آپ تھا۔ نیز یہ قلعہ جھیل بالہ (Ballah Lake) کے کنارے پر ایسے مقام پر واقع ہے کہ اس جھیل نے اس کو دو طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ ایشیاء کے سنگم پر واقع ہونے کے سبب حفاظتی نکتہ نگاہ سے اس کی اہمیت یوں بھی بڑھتی ہے کہ یہ قلعہ مشرقی اقوام کے حملوں کو روکنے کے تعمیر کیا گیا تھا۔ نیز اس کی وجہ سے کوئی بھی شخص آسانی سے مصر سے ایشیاء میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔[1]

ان ساری باتوں کے پیشِ نظر اسرائیلی اس شاہراہ سے کبھی بھی مصری حدود سے بآسانی نہیں نکل سکتے تھے۔ اگر بفرضِ محال یہ مصری حدود سے نکل بھی جاتے تو چونکہ یہ پیدل تھے مصری کسی بھی وقت رتھوں کے ذریعہ اس صاف

---

[1] The Ancient Israel in Sinai: Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:40,65. Oxford University Press.2005

شاہراہ پر چلتے ہوئے بڑی آسانی سے انہیں پکڑ سکتے تھے۔ مختصر الکلام بنی اسرائیل کا اس رستہ سے جانا کسی بھی لحاظ سے خطرہ سے خالی نہ تھا۔

پانچویں ممکنہ وجہ تحقیقات سے یہ سامنے آتی ہے کہ رعمسیس ثانی کے دور میں کنعان کا جنوبی حصہ مصریوں کے زیر تسلط تھا۔اس میں بسنے والے قبائل میں سے کچھ مصریوں کے باجگزار تھے۔اس لئے کنعانیوں پر حملہ کرنے سے مراد مصریوں سے اعلان جنگ تھا جس کے لئے ابھی ان میں تاب نہ تھی۔

چھٹی ممکنہ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رعمسیس ثانی کے اقتدار کے ابتدائی سالوں میں قادش کے مقام پر حتیوں سے جنگ ہوئی تھی یہ قوم ایشیائے کوچک اور شمالی کنعان کے علاقہ میں حکمران تھے۔اس وقت حتی ریاست اپنے عروج پر تھی اور کنعان کا اکثر حصہ ان کا ہی باجگزار تھا۔یہ جنگ امن معاہدہ پر منتج ہوئی تھی یہ امن معاہدہ بھی بنی اسرائیل کے لئے روک تھا۔یہ معاہدہ چاندی کی لوحوں پر لکھا گیا تھا جو کہ ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے دریافت کر لیا ہے۔آج کل یہ لندن میوزیم میں محفوظ ہے۔اس معاہدہ کی شقوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر اسرائیلی اس شاہراہ کو اپناتے تو کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتے۔اس معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی دونوں ملک ایک دوسرے کو مدد کے لئے یا تعاون کے لئے بلائیں تو دونوں کا تعاون کرنا لازمی ہو گا۔نیز اگر کوئی گروہ اپنے مخالف حریف کے خلاف شرارت کرے تو اس گروہ کی سرکوبی اس کے اپنے ذمہ ہو گی۔اگر کوئی گروہ ہجرت کرے تو دوسرے اس کو بسنے نہ دیں گے بلکہ ان کو پکڑ کر واپس کریں گے۔[1] فونیقیوں اور فلستیوں کا علاقہ مصری حکومت کا حصہ ہو گا جبکہ شام کا باقی حصہ حتیوں کے قبضہ میں رہے گا۔[2]

[1] تاریخ فرعون مصنفہ خواجہ حسن نظامی دہلوی صفحہ 31، ناشر: گولڈن بکس، اردو بازار لاہور 2004

[2] A Commentary of the Bible, by Peake M.A, D.D. p:56 Thomas Nelson and sons LTD. Printed in 1919.

اس معاہدہ کے ہوتے ہوئے بنی اسرائیل کبھی بھی موعودہ زمین پر قابض نہیں ہوسکتے تھے۔اس کے لئے نہ صرف مصریوں سے جان چھڑانا مقصود تھا بلکہ کنعان میں بسی اقوام سے مقابلہ کی طاقت بھی ہونا ضروری تھا۔ایسی مہمات کے لئے اسرائیلیوں کی کوئی جنگی مشقیں نہیں تھی۔ذیل کا نقشہ اس سارے صورتِ حال کو واضح کرتا ہے۔

ساتویں ممکنہ وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو خدا تعالیٰ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ۔(الدخان: 24)یعنی تمہارا پیچھا کیا جائے گا نیز آپؑ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ان کا پیچھا کرنے کے لئے فرعون رتھوں پر آئے گا۔اس لئے لازماً حضرت موسیٰؑ کی فراست نے یہی فیصلہ کیا ہو گا کہ ایسا رستہ اختیار کیا جائے جس پر پیدل سفر تو کیا جاسکے مگر رتھوں وغیرہ کے لئے مشکل پیدا کرے۔چنانچہ بعد کے واقعات سے یہ بات صحیح ثابت ہوئی کیونکہ مصر کے جس علاقہ سے بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا وہ حصہ دلدلی اور ریتلی زمین پر مشتمل تھا۔اس علاقہ سے بنی اسرائیل تو آرام سے نکل گئے مگر فرعونیوں کی رتھیں دلدلی زمین میں پھنس گئیں جو ان کی تباہی کا موجب بنی۔

آٹھویں ممکنہ وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسرائیلی جنگی مہارت نہیں رکھتے تھے۔محکوم قوم ہونے کے ناطے ان میں جنگی جرأت بھی مفقود تھی۔لہٰذا ملک موعود تک پہنچنے کے لئے ایسا رستہ اختیار کرنا ہی حکمت تھی جس پر انہیں جنگ بھی نہ کرنی پڑتی اور بحفاظت منزل مقصود تک بھی پہنچ جاتے۔اس حکمت کے پیش نظر جزیرہ نما سیناء وہ جگہ تھی جو اپنے وسائل کی کمی کے باعث غیر آباد تھی اور اسرائیلیوں کے لئے موزوں بھی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ بنی اسرائیل کا اس وقت کی معروف، آسان اور منزل مقصود سے قریب تر شاہراہ کو استعمال کرنا نہ صرف حفاظتی نکتہ نگاہ سے خطرناک تھا بلکہ حکمت کے تقاضوں سے بھی متصادم تھا نیز الٰہی منشاء بھی اس کے مخالف معلوم ہوتا ہے۔اس لئے حضرت موسیٰؑ نے ایک غیر معروف اور جنگی لحاظ سے پر امن رستہ اختیار کیا۔

ہجرتِ کنعان کے لئے اختیار کیا گیا راستہ:

مذکورہ بالا حالات کے باوجود ماہرینِ آثارِ قدیمہ بائبل میں مذکورہ ناموں کے جغرافیائی حالات وواقعات اور ناموں کے مطالب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس راستہ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ یقینی تو نہیں ہو سکتا مگر قیاس کہلا سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کی ہجرتِ کنعان کے حوالے سے سب سے اہم مقام وہ ہے جہاں سے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو معجزانہ طور پر اپنی حفاظت میں سمندر پار کروایا اور فرعون کو اس کے لاؤلشکر سمیت غرق کر کے عبرتناک نشان بنایا۔اس مقام کا تعین آج بھی محققین کے درمیان محل بحث بنا ہوا ہے۔اس حوالے سے مختلف مکتبہ ہائے فکر کے مختلف محققین کی جو جو آراء اور نظریات سامنے آتے ہیں وہ درج کئے جاتے ہیں

قرآن کریم کا بیان:

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کی ہجرتِ کنعان کے حوالے سے سمندر پار کرنے کے معجزہ کو سب سے زیادہ بیان کیا ہے اس معجزہ کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے:

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔(البقرہ: 51)

ترجمہ: اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا اور تمہیں نجات دی جب کہ ہم نے فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

وَ لَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی ۬ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰی۔(طٰہٰ: 78)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی تھی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے چل اور ان کے لئے سمندر میں ایسی راہ اختیار کر جو خشک ہو نہ تجھے پکڑے جانے کا خوف ہو گا اور نہ تُو ڈرے گا۔

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ۔(الشعراء: 64)

ترجمہ: پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگا تو (سمندر) پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا ایسا ہو گیا جیسے کوئی بڑا ٹیلہ ہو۔

وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ۔(الدخان: 25)

ترجمہ: اور سمندر کو چھوڑ دے جبکہ وہ ابھی پر سکون ہو یقیناً وہ ایک ایسا لشکر ہیں جو غرق کئے جائیں گے۔

حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”اور سمندر کو ٹیلوں پر سے گزرتے ہوئے پیچھے چھوڑ جا (یعنی ٹیلوں پر سے چلتے چلتے سمندر سے گزر جا)“

حضرت مسیح موعودؑ کا نظریہ:

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اپنی مختلف تحریرات میں فرعون کا دریائے نیل میں غرق ہونا لکھا ہے۔ مثلاً آپؑ فرماتے ہیں:

”فرعون اور اس کا لشکر **دریائے نیل** میں ہلاک ہوا تھا... جس طرح فرعون اور اس کا لشکر **دریائے نیل** میں ہلاک ہونا امور مشہودہ محسوسہ میں سے تھا جس کے وقوع میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا...“

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 290)

پھر دوسری جگہ فرمایا:

”فرعون اس روز تک جو مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا یہی سمجھتا رہا کہ موسیٰ اس کا شکار ہے آخر **رودِ نیل** نے دکھادیا کہ واقعی طور پر کون شکار تھا۔“

(آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 320)

اپنی ایک اور تصنیف میں لکھتے ہیں:

”جیسا کہ موسیٰ کے زمانہ میں ہوا کہ فرعون اور ہامان اس وقت تک دھوکہ میں رہے جب تک **رودِ نیل** کے طوفان نے ان کو پکڑا۔“

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 259)

پھر فرمایا:

”موسیٰ نبی کے زمانہ میں فرعون کے دل میں یہی خیال سما گیا تھا کہ موسیٰ جھوٹا اور مفتری ہے آخر خدا نے اس کو مع اس کی فوج کے **دریائے نیل** میں غرق کر کے یہ ثابت کر دیا کہ فرعون جھوٹا اور موسیٰ سچا ہے۔“

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 174)

اس زمانہ کے حکم وعدل نے متعدد بار اپنی کتب میں فرعون کی غرقابی کو دریائے نیل یا رودِ نیل میں بیان کیا ہے۔ رود کا معنی ندی، نہر، نالہ ہوتا ہے [1] اس لئے ممکن ہے کہ نیل یا اس کی ہی کوئی شاخ فرعون کی غرقابی کو موجب ہوئی ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ مصر میں وادی التمثیلات کا علاقہ نشیب میں ہونے کے سبب دریائے نیل میں طغیانی کے دنوں میں کافی حد تک متاثر ہوتا تھا۔ مؤرخین نے اس علاقہ میں ایک نہر بہنے کا بھی کیا ہے جو دریائے نیل سے نکل کر وادی التمثیلات سے ہوتی ہوئی جھیل تمساح میں گرتی تھی گزشتہ زمانہ میں جھیلِ تمساح، مارہ کی جھیلیں اور بحیرۂ احمر آپس میں ملے ہوئے تھے۔ ان کا درمیانی علاقہ دلدلی زمین پر مشتمل تھا۔ اس نہر کے بارے میں علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے دور میں مصر کے بادشاہ طوطیس نے اسے کھدوایا تھا۔[2] اس نہر کے کئی نام ہیں۔ مثلاً Canal of Pharaohs, Red sea Cananl, Neco-Darius canal, وغیرہ۔

Herododus کہتا ہے کہ Necho فرعون نے سب سے پہلے ایک نہر کے ذریعہ دریائے نیل اور بحیرۂ احمر کو ملانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر Darius I نے اسے مکمل کیا۔ یہ نہر Bubastis نامی شہر کے شمال سے شروع ہوتی ہے پتھوم سے گزر کر مارہ کی جھیلوں سے ہوتی ہوئی خلیج سویز میں جا گرتی تھی۔ Strabo ایک روایت درج کرتے ہوئے لکھتا

[1] فیروز اللغات، مرتبہ: الحاج مولوی فیروز الدین، صفحہ 768 زیر لفظ ”رود“ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ لاہور 2005

[2] ”کتاب الخطط المقریزیۃ“ الجزء الاول، مصنفہ علامہ تقی الدین محمد بن علی المعروف بالمقریزی ذکر بحر القلزم صفحہ 114-115 (مطبعۃ النیل 1324ھ)

ہے کہ اس نہر کو سب سے پہلے تعمیر کرنے میں Sesostris (اسکا 12^{th} dynasty سے تعلق تھا) اور Necho کا نام بیان کیا جاتا ہے۔اس کے نزدیک Darius I نے اسے کھدوانا شروع کیا مگر اسے بتایا گیا تھا کہ بحیرۂ احمر کی سطح بلند ہونے کے سبب اس کا پانی اس نہر کے ذریعہ مصر میں سیلاب کا موجب ہوگا اس لئے وہ اسے کھدوانے سے باز رہا۔ پھر ٹالمیوں نے جرأت کر کے اسے کھودا تھا۔Hieroglyphics اور Persian میخی زبان میں لکھا ہوا ایک کتبہ ملا ہے جس میں Darius I اس نہر کے کھدوانے کا ذکر کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ Darius I نے اسے کھدوادیا تھا۔Masparo کہتا ہے کہ رعمسیس ثانی نے اسے کھدوایا تھا۔[1]

James Hoffmeier لکھتا ہے کہ مشہور ماہرِ آثارِ قدیمہ Pierre Montet کی ریسرچ کے مطابق وادی التمثیلات سے رعمسیس ثانی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں اس نہر کی نشاندہی کی گئی ہے۔اس علاقہ میں دو مزید نہروں کے آثار پائے جاتے ہیں جن میں ایک ابھی بھی بہتی ہے۔ بہر یہ بات تو صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وادی التمثیلات کا سارا علاقہ دریائے نیل سے نکلنے والی نہروں سے سیراب ہوتا تھا۔ ممکن ہے یہ نہر مختلف وقتوں میں کھودی گئی ہو کیونکہ اس نہر کا جاری رکھنے کے لئے مسلسل اس کی صفائی کی ضرورت ہوتی تھی۔[2] البتہ Ramesside دور میں اس کے بہنے کے آثار ملتے ہیں۔ نقشہ میں اس نہر کے آثار واضح کئے گئے ہیں۔

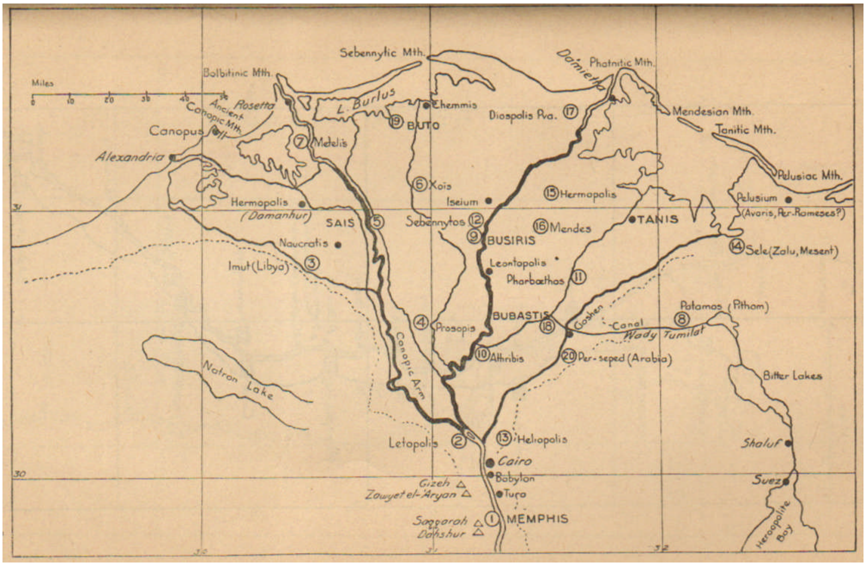

[1] The Nile and Egyption Civilization, by: Alexandre Moret, p:346. Kegan Paul, Trench, Trubner& Co, LTD 1927.

[2] The Ancient Israel in Sinai: Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:70-71. Oxford University Press.2005

اگر یہ بات ٹھیک ہے کہ رعمسیس کے دور میں یہ نہر جاری تھی ممکن ہے کہ یہی نہر اس کی غرقابی کو موجب بنی ہو۔ بنی اسرائیل کے خروج کے حوالہ سے اکثر بیشتر یہی علاقہ زیر بحث آتا ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ایک طرف قرآن کریم جتنی دفعہ بنی اسرائیل کے پار کرنے کا ذکر کرتا ہے وہاں **البحر** کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مگر فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کرنے کے لئے **الیم** کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں دو دفعہ فرعون اور اس کے لشکر کے غرق کا ذکر آتا ہے ایک دفعہ سورہ الذٰریات :41 دوسری مرتبہ القصص:40 دونوں جگہ **یم** کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ **یم** کے اول معنی تو دریا ہی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کریم ایک ایسے مقام کی طرف اشارہ کر رہا ہے جہاں سمندر اور دریا مل رہے ہوں۔ قیاسی طور پر یہی وہ مقام بن رہا ہے جہاں بحیرۂ احمر اور نیل مل رہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ اسی نہر میں فرعون مع اپنے لاؤلشکر کے غرق ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ کا نظریہ:

یاد رہے کہ حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ نے بنی اسرائیل کی ہجرت کے حوالے سے اپنے وقت کی معلومہ تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا:

”وہ شمال کی طرف سے گئے یا وسط سے یا جنوب سے۔ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتا **مگر جہاں تک کی معلومہ تحقیق کا تعلق ہے**۔ اور بائبل اور قرآن کی بتائی ہوئی مدّ و جزر کی کیفیات سے نتیجہ نکلتا ہے یہی بات قرین قیاس ہے کہ بنو اسرائیل تل ابی سلیمان کے مقام سے (دیکھو نقشہ اس جگہ فرعون موسیٰ کا پایہ تخت ہوتا تھا) پہلے وسط یعنی جھیل تمساح کی طرف گئے جہاں سے کنعان نزدیک پڑتا ہے۔ (دیکھو نقشہ) پھر وہاں سے جھیلوں کی روک دیکھ کر جنوب کی طرف لوٹے اور سویز کے مقام کے پاس سے سمندر میں سے جزر کے وقت پار ہوئے اور وہاں سے قادس کی طرف روانہ ہو گئے۔“[1]

اس کیفیت کو مزید کھولتے ہوئے آپؓ فرماتے ہیں:

”سمندر میں مدوجزر پیدا ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت میں پانی کنارے پر سے بہت دور پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور دوسرے وقتوں میں وہ خشکی پر اور آگے آجاتا ہے۔ سمندر پھاڑنے کے واقعہ کا اسی مدّ و جزر کی کیفیت سے تعلق ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے وقت میں سمندر سے گذرے جبکہ جزر کا وقت تھا اور سمندر پیچھے ہٹا ہوا تھا۔ اس کے بعد فرعون پہنچا وہ بوجہ اس کے کہ کم سے کم ایک دن بعد حضرت موسیٰؑ کے چلا تھا وہ مارامار کرتا ہوا جس وقت سمندر پر پہنچا ہے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے اس خشک ٹکڑے کا جس سے وہ گذر رہے تھے اکثر حصہ طے کر چکے تھے۔ فرعون نے

[1] تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ المسیح الثانیؓ، جلد 1 صفحہ 426۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

ان کو پار ہوتے دیکھ کر جلدی سے اس میں اپنی رتھیں ڈالدیں۔ مگر سمندر کی ریت جو گیلی تھی اس کی رتھوں کے لئے مہلک ثابت ہوئی اور اس کی رتھیں اس میں پھنسنے لگیں اور اس قدر دیر ہو گئی کہ مدّ کا وقت آ گیا اور پانی بڑھنے لگا اب اس کے لئے دونوں باتیں مشکل تھیں نہ وہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سمندر نے اسے درمیان میں آلیا اور وہ اور اس کے بہت سے ساتھی سمندر میں غرق ہو گئے۔ اور چونکہ مدّ کا وقت تھا سمندر کا پانی جو کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے ان کی لاشوں کو خشکی کی طرف لا پھینکا... اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں فرعون اوپر کی طرف سے ہو کر خشکی کے راستہ نہ گیا اور کیوں اس نے سمندر کی خشک جگہ میں سے ہو کر بنی اسرائیل کا تعاقب کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سمندر کے اس مقام کے پاس جو غالباً سویز شہر کے پاس تھا (یہاں سمندر کی چوڑائی صرف 2\3 میل ہے۔ (دیکھو انسائیکلوپیڈیا ببلیکا صفحہ 1437) بہت سی جھیلیں ہیں اور دلدلیں بھی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جیسا کہ بائبل سے ثابت ہے۔ پہلے اوپر کی طرف گئے تھے مگر آگے جھیلوں کو راستہ میں دیکھ کر اور راستہ بند پا کر واپس سمندر کی طرف لوٹے... اگر فرعون اوپر جاتا تو اسے اَور بھی چکر کاٹ کر جھیلوں کے اوپر سے ہو کر جانا پڑتا۔ اور یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تک بہت دور نکل چکے ہوتے۔ اور اس کی مملکت سے باہر چلے گئے ہوتے۔ اس لئے اس نے ان کے پکڑنے کی ایک ہی صورت ممکن دیکھی کہ وہ سمندر کے خشک شدہ حصہ میں سے ان کا تعاقب کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی رتھوں کے بیلوں کو ڈرایا اور رتھوں کے راستہ میں مشکلات پیدا کر دیں جس کی وجہ سے اس کے سفر میں دیر ہوتی گئی اور مدّ کا وقت آ گیا۔"[1]

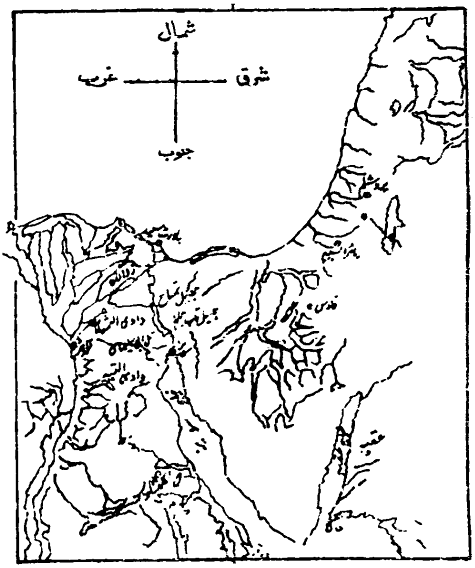

[1] تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفۃ المسیح الثانیؓ، جلد1 صفحہ 422 ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مدّ و جزر کی حقیقت سمجھانے کے لئے حضورؓ نے نپولین کا واقعہ درج کیا آپؓ فرماتے ہیں:

''بحیرۂ احمر کے اس کنارہ پر جس پر سے موسیٰؑ گذرے یہ نظارہ عموماً نظر آتا رہتا ہے چنانچہ لائف آف نپولین میں بیان کیا گیا ہے کہ جب نپولین مصر گیا تو وہ اس جگہ کو دیکھنے گیا جس کی نسبت روایت میں ہے کہ وہاں سے مصری گذرے تھے۔ اس وقت لہر پیچھے کو ہٹی ہوئی تھی۔ وہ ایشیائی کنارہ کی طرف چلا گیا اور مختلف چیزوں کے دیکھنے میں اس کا بہت سا وقت لگ گیا جب وہ واپس لوٹنے لگا تو رات آگئی اور یہ جماعت راستہ بھول گئی۔ رات کی تاریکی بڑھ گئی اور گھوڑے زیادہ سے زیادہ پانی کی اونچی ہونے والی لہروں میں دھنسنے لگے حتی کہ پانی گھوڑوں کے تنگوں تک پہنچ گیا اور ہلاکت یقینی ہو گئی اس مصیبت سے نپولین نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو اسی نہ گھبرانے والی طبیعت کے ذریعہ سے نکالا جو اسے کسی موقعہ پر بھی چھوڑتی نہ تھی۔ گھوڑے آدھی رات کے وقت جا کر کہیں پانی سے باہر نکلے جبکہ وہ چھاتی تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس کنارہ پر لہر بائیس فٹ تک اونچی اٹھتی ہے۔

نپولین نے باہر نکل کر کہا کہ ''اگر میں اس طریق پر فرعون کی طرح غرق ہو جاتا تو تمام مسیحی پادریوں کو میرے خلاف وعظ کرنے کا ایک اچھا مصالحہ مل جاتا۔''(Life of Nepoleon Bonapart by Jean S.C. Abbot)[1]

خلاصہ کلام حضورؓ کے بیان کردہ نظریہ کے مطابق بنی اسرائیل کی روانگی کا مقام اس وقت کا دارالحکومت تل ابی سلیمان تھا۔ وہاں سے وہ پہلے جھیل تمساح کی طرف گئے جہاں جھیلوں کی روک کے سبب جنوب کی طرف آئے اور سویز کے مقام سے جہاں سمندر 2/3 میل چوڑا ہے اس کو اس حالت میں پار کیا جبکہ جزر کا وقت تھا۔ فرعون اور اس فوج نے اسی رستہ میں اپنی رتھیں ڈال دیں۔ ریتلی زمین کے سبب ان کی رتھیں وہاں پھنس گئی یہاں تک کہ مدّ کا وقت آ گیا اور وہ اس میں غرق ہو گئے۔

بائبل کا نظریہ:

بائبل کے مطابق بنی اسرائیل کی روانگی کا مقام ''رعمسیس'' نامی شہر تھا۔ وہاں سے وہ ''سکات'' تک پیدل آئے۔ خدا ان کو فلستیوں کے ملک کے راستہ سے نہیں لے کر گیا گو کہ وہ قریب تھا مگر خدا نے اس ڈر سے کہیں یہ لوگ لڑائی دیکھ کر پچھتانے لگیں اور مصر واپس لوٹ جائیں۔ انہوں نے سکات سے کوچ کر کے بیابان کے کنارے ایتام میں ڈیرا کیا۔ خداوند نے موسیٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو حکم دے کے وہ لوٹ کر مجدال اور سمندر کے بیچ فی ہخیروت کے مقابل بعل صفون کے آگے ڈیرے لگا یہاں اسی کے آگے سمندر کے کنارے کنارے ڈیرے لگانا۔

جب مصر کے بادشاہ کو خبر ملی کہ وہ لوگ چل دئے تو فرعون اور اُس کے خادموں کا دل اُن لوگوں کی طرف سے

---

[1] تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ المسیح الثانیؓ، جلد 5 صفحہ 441 ضیاء الاسلام پریس ربوہ

پھر گیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ کیا کیا کہ اسرائیلیوں کو اپنی خدمت سے چھٹی دے کر اُن کو جانے دیا۔تب اُس نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اپنی قوم کے لوگوں کو ساتھ لیا۔اور اُس نے چھ سو چنے ہوئے رتھ بلکہ مصر کے سب رتھ لیے اور ان سبھوں میں سرداروں کو بٹھایا۔ اور خداوند نے مصر کے بادشاہ فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور اُس نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا کیونکہ بنی اسرائیل بڑے فخر سے نکلے تھے۔اور مصری فوج نے فرعون کے سب گھوڑوں اور رتھوں اور سواروں سمیت اُن کا پیچھا کیا اور اُن کو جب وہ سمندر کے کنارے فی ہخیروت کے پاس بعل صفون کے سامنے ڈیرا لگا رہے تھے جالیا۔

اور جب فرعون نزدیک آ گیا تب بنی اسرائیل نے آنکھ اُٹھا کر دِیکھا کہ مصری اُن کا پیچھا کئے چلے آتے ہیں اور وہ نہایت خوف زدہ ہو گئے تب بنی اسرائیل نے خداوند سے فریاد کی۔اور موسیٰ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تُو ہم کو وہاں سے مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے،تُو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا۔کیا ہم تُجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔تب موسیٰ نے لوگوں سے کہاڈرو مت چُپ چاپ کھڑے ہو کر خداوند کی نجات کے کام کو دِیکھو جو وہ آج تُمہارے لئے کریگا کیونکہ جن مصریوں کو تم آج دِیکھتے ہو اُن کو پھر کبھی ابد تک نہ دِیکھوگے۔خداوند تمہاری طرف سے جنگ کریگا اور تم خاموش رہوگے۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تُو کیوں مُجھ سے فریاد کر رہا ہے؟بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ آگے بڑھیں۔اور تُو اپنی لاٹھی اُٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اُوپر بڑھا اور اُسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائینگے۔اور دِیکھ مَیں مصریوں کے دل سخت کر دونگا اور وہ اُن کا پیچھا کریں گے اور مَیں فرعون اور اُس کی سپاہ اور اُس کے رتھوں اور سواروں پر ممتاز ہونگا۔اور جب میں فرعون اور اُسکے رتھوں اور سواروں پر ممتاز ہو جاؤں گا تو مصری جان لینگے کہ مَیں ہی خداوند ہوں۔اور خدا کا فرشتہ جو اسرائیلی لشکر کے آگے آگے چلا کرتا تھا جا کر اُن کے پیچھے ہو گیا اور بادل کا ستون اُن کے سامنے سے ہٹ کر اُنکے پیچھے جا ٹھہرا۔

یُوں وہ مصریوں کے لشکر اور اسرائیلی لشکر کے بیچ میں ہو گیا۔سو وہاں بادل بھی تھا اور اندھیرا بھی تو بھی رات کو اُس سے روشنی رہی۔پس وہ رات بھر ایک دُوسرے کے پاس نہیں آئے۔پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تُند پُوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اُسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا۔اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چلکر نکل گئے اور اُنکے دہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔اور مصریوں نے تعاقُب کیا اور فرعون کے سب گھوڑے اور رتھ اور سوار اُنکے پیچھے پیچھے سمندر کے بیچ میں چلے گئے۔اور رات کے پچھلے

پھر خداوند نے آگ اور بادل کے ستون میں سے مصریوں کے لشکر پر نظر کی اور اُنکے لشکر کو گھبرا دیا۔ اور اُس نے اُنکے رتھوں کے پہیوں کو نکال ڈالا۔ سو اُنکا چلانا مشکل ہو گیا۔

تب مصری کہنے لگے آؤ ہم اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگیں کیونکہ خداوند اُنکی طرف سے مصریوں کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اور خاوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپناہاتھ سمندر کے اُوپر بڑھا تا کہ پانی مصریوں اور اُنکے رتھوں اور سواروں پر پھر بہنے لگے۔ اور موسیٰ نے اپناہاتھ سمندر کے اُوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوتے سمندر پھر اپنی اصلی قُوت پر آگیا اور مصری اُلٹے بھاگنے لگے اور خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ وبالا کر دیا۔ اور پانی پلٹ کر آیا اور اُس نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا غرق کر دیا اور ایک بھی اُن میں سے باقی نہ چُھوٹا۔ پر بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور پانی اُنکے دہنے اور بائیں ہاتھ دیوار کی طرح رہا۔ سو خداوند نے اُس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے اِس طرح بچایا اور اسرائیلیوں نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے ہوئے پڑے دیکھا۔ (خروج باب 13و14)

جدید محققین کے نظریات:

بائبل کی بیان کردہ تفاصیل کے مطابق محققین کے کئی طرح کے نظریات سامنے آتے ہیں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مختلف راستے بیان کرتے ہیں۔ ان نظریات میں بڑی حد تک اس مقام کو زیر بحث لایا جاتا ہے جہاں سے ممکنہ طور پر بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا۔ عبرانی بائبل میں اس جگہ کے لئے "יַם סוּף" کا لفظ استعمال کیا گیاہے۔ اس کا تلفظ "یم سوف" ہے۔ عبرانی میں "یم" سمندر کے لئے جبکہ "سوف" سرکنڈوں، سمندری بُردوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ عبرانی سے یونانی زبان میں ہونے والا مشہور ترجمہ سپٹوجنٹ (Septuagint) میں اس لفظ کا ترجمہ (eruthra thalasse) کیا گیا۔ جسے لاطینی ترجمہ ولگیٹ (Vulgate) میں (mari rubro) لکھا۔ اس دونوں کا مطلب red sea تھا۔ ولگیٹ سے ہی اکثر انگلش مترجمین نے Red sea لکھا۔ (Keller) لکھتا ہے کہ پرانے عہد نامہ میں یرمیاہ تک اس کا ترجمہ reed sea (یعنی سرکنڈوں کا سمندر) کیا جاتا رہا ہے۔ جبکہ نئے عہد نامہ میں ہر جگہ red sea ہی لکھا گیا ہے مثلاً اعمال (باب 7 آیت 36، عبرانیوں باب 11 آیت 29)[1] محققین کے نزدیک یہ red sea نہیں بلکہ sea of reeds یعنی سرکنڈوں کا سمندر ہے۔ ان کے نزدیک خلیج سویز کے انتہائی شمالی مقام پر کثرت سے سرکنڈے پائے جاتے تھے اس لئے اس سمندر کو sea of reeds کا نام دے دیا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ بنی اسرائیل نے اسی مقام سے سمندر پار کیا تھا۔ یہ نام sea of

[1] The Bible as the History, by: Werner Keller, p: 126. Hamburg 1955

reeds سے Red Sea بن گیا۔ اور آج تک اس کا یہی نام چلتا آرہا ہے۔[1]

قدیم یونان میں Red sea خلیج عقبہ و خلیج سویز دونوں کے لئے بولا جاتا تھا۔[2] Alan Gardiner کی تحقیق کے مطابق بیشتر مصری تحریرات میں ***p3 twfy*** کی ایک اصطلاح کثرت سے ملی ہے۔ جس کا ترجمہ sea of reeds ہے۔ (***twfy*** پانی میں اگنے والا ایک پودا ہے جو ڈیلٹا کے علاقہ میں کثرت سے اگتا ہے۔ اسی لفظ کو بعد میں عبرانیوں نے استعمال کیا۔) نیز ان تحریرات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علاقہ دریائے نیل کے شمالی ڈیلٹا میں موجود ہے۔ Kitchen کے نزدیک "یم سوف" سے مراد شمال سے جنوب تک کا وہ سارا علاقہ ہے جو جھیلوں پر مشتمل ہے۔ Bietak نے لسانی اور جغرافیائی طور پر تحقیق کر کے یہ بات پیش کی کہ Lake Ballah ہی "یم سوف" ہیں Hoffmeier نے اسی نظریہ کی تائید کی ہے۔[3]

Keller یہ بات پیش کرتا ہے کہ یہ سرکنڈے بحرۂ احمر کے ساحل کی بجائے اس کے انتہائی شمال میں اگتے ہیں اس لئے "یم سوف" سے مراد یہی علاقہ ہے جو موجودہ سویز ہے۔ تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رعمسیس ثانی کے دور میں خلیج سویز کو مارہ کی جھیلوں سے ملایا گیا تھا۔ اور یہ سلسلہ جھیل تمساح تک پھیلا ہوا تھا یعنی جھیل تمساح، مارہ جھیلیں اور خلیج سویز آپس میں ملے ہوئے تھے اس جگہ کثرت سے سرکنڈے اگتے تھے۔ اس جگہ بہت زیادہ پایاب ہوتی ہیں جس کے سبب یہاں سے گزرنا ممکن ہوتا ہے۔[4] اس کے علاوہ خلیج عقبہ کے تین مختلف مقامات کو "یم سوف" کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ (1)Ron Wyatt کے نزدیک خلیج عقبہ کے درمیان میں Nuweiba کا مقام۔ (2)Bob Cornuke کے نزدیک خلیج عقبہ کے انتہائی جنوبی کنارے سے سیدھا Tiran کی جانب کا سمندری راستہ۔ (3) Colin Humphreys کے نزدیل یہ خلیج عقبہ کے انتہائی شمال کا حصہ ہے۔[5]

Hoffmeier نے ایک اور توجیہہ بھی پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عبرانی میں "سوف" اور sophah (طوفان)

---

[1]The Ancient Israel in Sinai:Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:81. Oxford University Press.2005

[2]The Ancient Israel in Sinai:Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:200. Oxford University Press.2005

[3] The Ancient Israel in Sinai: Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:80-92. Oxford University Press.2005

[4] The Bible as the History, by: Werner Keller, p: 126-127, Hamburg 1955

[5] The Lost Sea of Exodus: A Modern Geographical Analysis, by: Glen Allen Fritz p:66 . Glen Allen publisher 2006

یاsoph(اختتام) ایک ہی مصدر سے مشتق لگتے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں معانی سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس میں بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا اور مصریوں کی حاکمیت اختتام کو پہنچی نیز سمندری طوفان سے مصریوں کا خاتمہ ہوا۔[1]

جہاں تک بنی اسرائیل کے راستہ کی تفصیلات کا ذکر ہے اس بارے میں محققین کی تحقیقات مختصراً درج کی جاتی ہیں۔

کنزرویٹو سکالرز کا نظریہ:

قدامت پسند عیسائی محققین کا یہ نظریہ ہے کہ بنی اسرائیل رعمسیس سے سکات تک آئے وہاں سے ایتام آئے، ایتام سے وہ خلیجِ سویز کے شمالی حصہ میں پہنچتے ہیں۔ خلیج سویز آگے بڑھتا ہوا مارہ کی جھیلوں سے مل جاتا ہے۔ خلیجِ سویز اور مارہ کی جھیلوں کو ریت کے ٹیلے اور دلدلی زمین جدا کرتی ہے جہاں بعض خشکی کے رستے بھی تھے ان ٹیلوں پر سے گزرنے کے لئے پانی کے اتراؤ چڑھاؤ پر انحصار ہوتا تھا خدا تعالیٰ نے اسرائیلیوں کو اس خاص وقت میں ایسی صورت پیدا کر دی تھی کہ وہ آسانی سے جزر کے وقت میں نکل گئے۔ مگر فرعونیوں کی رتھیں اس دلدلی زمین اور ریت میں پھنس گئیں جو ان کی تباہی کا موجب بنا۔[2] خلیج سویز میں بھی کوئی ایک جگہ نہیں بتائی جاتی جہاں سے بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا۔ کوئی مارہ کی جھیلوں اور سویز کے درمیانی دلدلی زمین بتاتا ہے کوئی اسے بحرۂ احمر کا شمالی حصہ تصور کرتا ہے۔ بعض جھیل تمساح اور مارہ کی جھیلوں کے درمیان کا رستہ بتاتا ہے۔ الغرض قدامت پسند عیسائیوں کی تحقیقات کا محور بحرۂ احمر اور اس کے شمال میں مارہ کی جھیلیں اور جھیل تمساح ہے۔

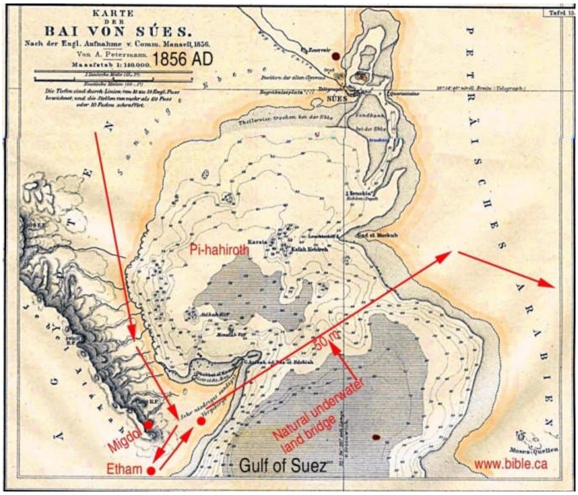

[1] Israel in Egypt: The Evidence for the Authenticity of the Exodus Tradition. BY: James Karl Hoffmeier, Oxford University Press. p. 214, 1999

[2] A New Catholic Commentary on Holy Scripture, by: Rev. Reginald C. Fuller, p:214

James Hoffmeierکا نظریہ:

بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعونِ مصر نے بنی اسرائیل سے رعمسیس(Raamses) اور پتوم (Pithom) نامی شہر تعمیر کروائے تھے نیز رعمسیس سے ہی بنی اسرائیل کی ہجرت کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اس شہر کی تلاش نے ماہرین آثارِ قدیمہ کو ناکوں چنے چبوائے۔ اب بھی اس بارے محققین کی یک رائے نہیں ہے۔ جرمن ماہرین آثارِ قدیمہ کے نزدیک اس کے آثار موجودہ Qantir میں پائے جاتے ہیں جو کہ مصر کے شمال مشرق میں دریائے نیل کی شاخ پلوزیم(Pelusiam) کے کنارے واقع ہے۔ محققین کے نزدیک اس شہر کو رعمسیس ثانی نے تعمیر کروایا تھا اور شمالی مصر کا دارالحکومت اسی کو بنایا تھا۔[1] Petrieاور Naville کے نزدیک یہ شہر موجودہ Wadi Tumilat میں Tell Retabeh ہے۔ Gardinerکے نزدیک Tanisوہ شہر ہے وغیرہ۔[2] قطع نظر اس کے کون سا مقام رعمسیس ہے ماہرین اس بات پر بہر حال متفق ہیں کہ یہ علاقہ مصر کے شمال مشرق میں دریائے نیل کی شاخ(Plusiam) پلوزیم اور سویز کینال کے درمیان ہے۔ اسی علاقے سے بنی اسرائیل ہجرتِ کنعان کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

مشہور عیسائی آرکیالوجسٹ James Hoffmeierنے بائبل اور جدید وقدیم جغرافیائی علوم، مختلف مقامات کے ناموں کی وجوہاتِ تسمیہ اور ان میں تبدیلی اور آرکیالوجیکل ریسرچ کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل تحقیق پیش کی ہے(اس نظریہ کو سمجھنے کے لئے ذیل میں دیا گیا نقشہ کافی مدد دے گا): بنی اسرائیل رعمسیس شہر سے(موجودہ Tell El-Daba)سے نکلے اور سکات(موجودہTell El-Maskhuta)تک آئے آثارِ قدیمہ اور بعض قدیم مصری تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ رعمسیس اور سکات کے درمیان ایک صاف اور سیدھی شاہراہ تھی۔ یہاں سے اسرائیلیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ لوٹ کر مجدال اور سمندر کے بیچ فی ہخیروت کے مقابل بعل صفون کے آگے ڈیرے لگائیں۔

سکات کے علاقہ میں کھدائیوں کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس جگہ مصریوں کی ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی۔ جو کہ (Tjeku)جیکو کہلاتی تھی۔ اس ایک چھاؤنی کے علاوہ مصریوں نے اس مشرقی سائیڈ سے قلعوں کا جال بچھایا ہوا تھا۔ غالباً انہیں چھاؤنیوں کی وجہ سے بنی اسرائیل کو سکات سے لوٹنے کا کہا گیا۔ لہٰذا وہ دوبارہ شمال کی طرف گئے اور El-Ballah جھیل کے کنارے Tell Abu-Sefehسے اس علاقے کو پار کیا اس مقام پر ایک کلومیٹر سے بھی کم فاصلہ رہ

---

[1] The Oxford History of Biblical World, edited by: Michael David Coogan, p:65, Oxford University press 1998.

[2] The Ancient Israel in Sinai: Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:53-54. Oxford University Press.2005

جاتا ہے۔اس کے دونوں طرف جھیلیں ہے۔یہی وہ جگہ ہے جسے بائبل میں "یم سوف" کہا گیا ہے۔ Hoffmeier[1] کا بیان کردہ رستہ کا نقشہ سامنے درج ہے:

1۔James Hoffmeier کا بیان کردہ نقشہ

Ron Wyatt کا نظریہ:

بنی اسرائیل کے خروج کے لئے اپنایا گیا راستہ اور سمندر پار کرنے کے مقام کے بارے ایک نظریہ[2] Ron Wyatt کا بھی ہے۔اس کے نزدیک بائبل میں مذکور یم سوف سے مراد خلیج عقبہ کا ایک مقام ہے جہاں سے بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا۔یہ نظریہ سب سے پہلے Charles Beke کے نوٹس میں 1835ء کو سامنے آیا۔جس کا خلاصہ یہ تھا کہ عبرانی بائبل میں وہ سمندر جہاں سے بنی اسرائیل نے پار "یم سوف" کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد دراصل خلیج عقبہ ہے۔اس

---

[1] The Ancient Israel in Sinai: Evidence for the Authenticity of the Wilderness Tradition. By: James Hoffmeier, P:50-90. Oxford University Press.2005

[2] اس کا پورا نام Ronald Eldon Wyatt ہے 1933 میں پیدا ہوئے۔یہ ایک ہسپتال میں کام کرتا تھا۔1960 میں اس نے ایک میگزین میں ایک مضمون پڑھا جس میں ارارت کی پہاڑی پر نوح کی کشتی دیکھے جانے کا ذکر تھا۔اس کی کھوج میں اس نے بطور ایک آرکیالوجسٹ کے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔1977 سے اپنی وفات تک اس نے مشرقِ وسطی کی ایک سو سے زائد سفر کئے۔بعض اسے pseudo archaeologist کہتے ہیں۔اس کے بیان کردہ نظریات کی وجہ سے اسے اکثر محققین اور آرکیالوجسٹس کوئی وقعت نہیں دیتے۔اس کی وفات 4اگست 1999 کو ہوئی۔(http://en.wikipedia.org/wiki/Ron_Wyatt)

نے اپنے اس مفروضہ کا کوئی تاریخی یا مذہبی روایات سے ثبوت نہ دیا۔ بعض جرمن محققین نے بھی Beke کے نظریہ کو صحیح قرار دیا جن میں Gressmann, Schmid, اور Nothe شامل ہیں۔ بیسوں صدی کی ابتداء میں A.H. Sayce نے کھلے عام یہ اعلان کیا کہ یم سوف سے مراد خلیج عقبہ ہی ہے۔ یہ نظریہ محققین کی نظر میں بڑی حد تک رد ہو چکا تھا یہاں تک کہ بیسویں صدی کے آخری دہائیوں میں Ron Wyatt نے خلیج عقبہ کا جغرافیائی معائنہ کر کے یہ نظریہ پیش کیا کہ خلیج عقبہ میں Nuweiba وہ مقام ہے جہاں سے بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا۔ اسے اپنے اس نظریہ پر تعلیمی و تحقیقی اداروں کی کافی حد تک تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ 1980ء میں جب اس کا یہ نظریہ Bob Cornuke اور Larry Williams کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس پر یہ رائے قائم کی یہ سمندر پار کرنے کا مقام دراصل وہ جگہ ہے جہاں خلیج عقبہ بحرۂ احمر میں کھلی ہے۔ ان سارے نظریات کو تعلیمی و تحقیقی اداروں نے کئی وجوہات کی بناء پر رد کر دیا۔ مثلاً اس بارے کوئی نقلی ثبوت نہیں پائے جاتے، یہ مقام مصر سے بہت دور ہے نیز اس جگہ سمندر اس قدر گہرا ہے کہ اسے پار کرنا ناممکن ہے وغیرہ۔

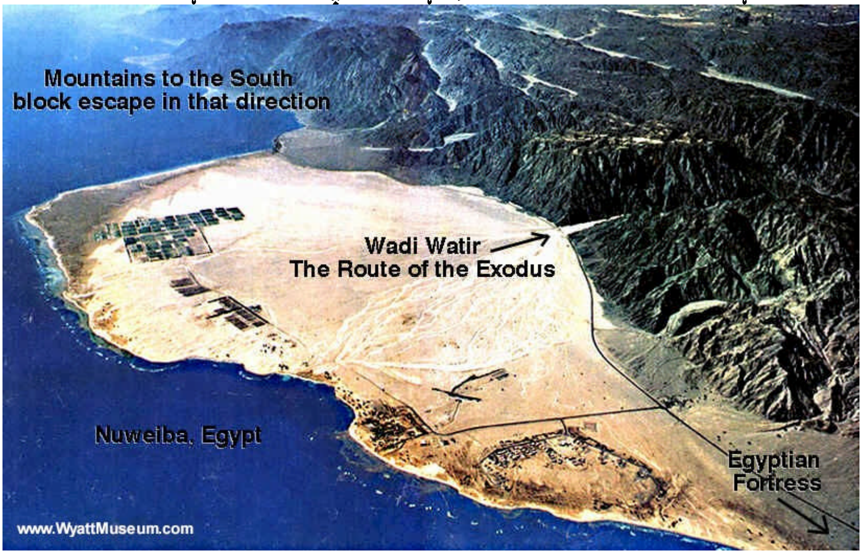

Wyatt کے نظریہ کی جزئیات مختصراً یوں ہے کہ ملک مصر گو کہ بہت بڑا ہے مگر اس کی شرقاً غرباً حدود بہت کم ہے۔ اسرائیلی رعمسیس سے نکلے۔ اور سکات میں جمع ہوئے۔ خاکنائے سویز کے قریب Tharu یا Takut نامی جگہ بائبل میں مذکور سکات ہے۔ ادھر سے ایتام کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ "یم سوف" کا صحرا ہے۔ جو جزیرہ نما سیناء کے درمیانی اور جنوبی صحرا کے لئے بولا جاتا ہے۔ ادھر سے مشرق کی طرف ایک رستہ جاتا ہے جو فوجی اور تجارتی دونوں مقاصد کے لئے استعمال ہوتا تھا اور شمالی رستہ (Way of Horus) کی نسبت زیادہ محفوظ تھا۔ ایتام سے بنی اسرائیل کو لوٹ کر مجدال اور سمندر کے بیچ فی ہخیروت کے مقابل بعل صفون کے آگے ڈیرے لگانے کا کہا گیا۔ اس سے اصل یہ مراد تھی کہ چونکہ Nuweiba کے

ساحل سے پہلے کا علاقہ بہت ہی دشوار گزار وادیوں پر مشتمل تھا جہاں اسرائیلی گرے ہوئے تھے۔ انہیں اپنی جگہ تبدیل کرنے کا کہا گیا تھا۔ Nuweiba کا ساحل اس قدر بڑا ہے کہ جس میں بنی اسرائیل کی اتنی بڑی تعداد سما سکتی تھی۔ یہ مقام Wadi Watir کہلاتا ہے اسی جگہ بنی اسرائیل نے پڑاؤ کیا۔ اس کے شمال کی طرف ایک قدیم مصری قلعہ بنا ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ علاقہ مصری حکومت کی حدود میں تھا۔ سمندر کے پار عرب میں ایک قلعہ ہے جو شاید مدیانیوں کا بنایا ہوا ہو جو انہوں نے بعل دیوتا کے لئے مختص کیا ہو۔ سامنے نقشہ اس ساری صورتِ حال کو مزید واضح کرے گا۔

اس مقام سے سمندر کو دوسری سمت تک کا فاصلہ 30 کلو میٹر ہے۔ اور سمندر میں اس جگہ ایک قدرتی پل بنا ہوا ہے۔ جہاں سے بنی اسرائیل آسانی سے گزر گئے۔ نیچے دی گئی 3D تصویر سے اس مقصد کی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

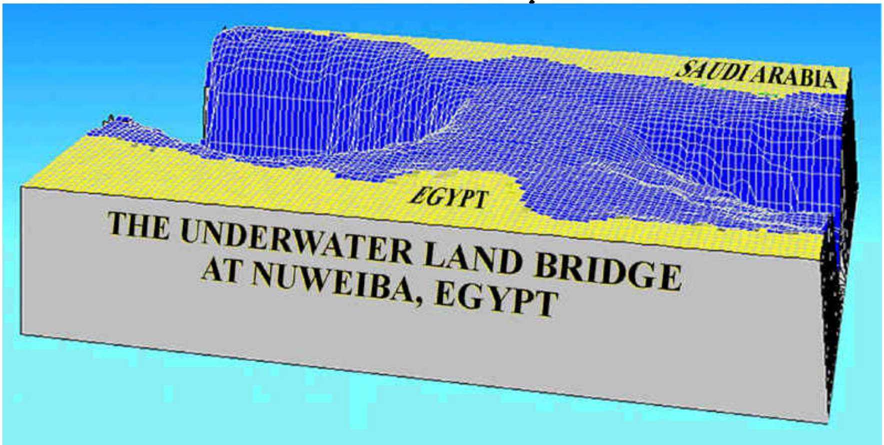

اپنے اس نظریہ کو مزید تقویت دینے کے لئے اس نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ 1978ء میں Wyatt کو Nuweiba کے ساحل کی جنوبی طرف سے فونیقی طرز کا ایک ستون ملا۔ اس پر تحریرات مٹی ہوئی تھیں۔ Wyatt کا اس کے بارے یہ نظریہ ہے کہ حضرت سلمانؑ نے سمندر پار کرنے کے معجزہ کی یاد میں یہ ستون نصب کروایا تھا۔ اسی طرز کا ایک ستون سمندر کی دوسری جانب سے بھی ملا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں طرف اس واقعہ کی یاد میں ستون نصب کئے گئے تھے۔ Wyatt کے مطابق بائبل میں مذکور Red Sea میں خلیج عقبہ، خلیج سویز بھی شامل ہیں۔

1978ء میں Wyatt نے مزید تحقیق کے لئے اس مقام پر سمندر میں اترا تو سمندر کی تہہ سے اسے رتھ کا ایک پہیہ ملا۔ جو وہ اپنے افسر Nassif Mohammad Hassan کے پاس لے آیا جو کہ Director of Antiquities تھا۔ اس پہیہ کے مطالعہ سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آٹھ ڈنڈوں والا پہیہ مصر کے اٹھارویں خاندان کے دور میں استعمال ہوتا تھا۔

اس نظریہ کے مخالف یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ رعمسیس سے Nuweiba تک کا فاصلہ بہت زیادہ ہے جو اتنی

جلدی طے کرنا ممکن ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے Wyatt کہتا ہے کہ Moshe Dyan نے 1967ء میں Nuweiba سے سویز شہر تک (بائبل کا سکات) چھے دن میں اپنی فوج کے ساتھ سفر کیا۔ جبکہ انہوں نے دو دن اور ایک رات کے بعد پڑاؤ کیا۔ اسرائیلیوں کو جب سات دن خمیری روٹی کھانے کا کہا گیا تو اس سے مراد یہی تھی کہ وہ سات دن پڑاؤ کئے بغیر سفر کریں گے۔ لہٰذا انہوں نے ہر رات قیام نہیں کیا۔ وہ خدائی نصرت سے اتنے لمبے فاصلے کو دن رات میں طے کر گئے۔ اس کی طرف خروج باب 19 آیت 4 میں اشارہ ہے کہ: "تُم نے دیکھا کہ میں نے مصریوں سے کیا کیا کیا اور تُم کا گویا عُقاب کے پروں پر بیٹھا کر اپنے پاس لے آیا۔" اور عقاب اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے مشہور ہے۔[1]

ہجرت کنعان کے لئے Ron Wyatt کا بیان کردہ راستہ ذیل کے نقشہ میں دیا گیا ہے۔

سمندر پھٹنے کی حقیقت:

سمندر پھٹنے کے معجزہ کو قرآن و بائبل دونوں نے بیان کیا ہے۔ بائبل میں تو اس بارے میں واضح لکھا ہے:

"پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تُند پُوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اُسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور

[1] Ronald Eldon Wyatt: کا یہ نظریہ تحریری صورت میں تو نہیں ملتا بلکہ یہ نظریہ اس کی آفیشل ویب سائٹ پر درج ہے۔ جو ذیل میں ہے:
http://www.wyattmuseum.com/red-sea-crossing.htm

اُنکے دہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔" (خروج باب 14 آیت 21،22)

جبکہ قرآن کریم میں لکھا ہے کہ:

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۔(الشعراء: 64)

ترجمہ: پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگا تو (سمندر) پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا ایسا ہو گیا جیسے کوئی بڑا ٹیلہ ہو۔

اکثر مسلمان مفسرین نے اپنی تفاسیر میں بائبل کے بیان کی اتباع میں یہی نتیجہ نکالا ہے کہ حقیقتاً سمندر دو ٹکڑے ہو گیا تھا اور پانی ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ دیوار کی طرح تھا اور وہ اس کے بیچ میں سے گزر گئے۔ حالانکہ واقعۃ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ یہ معجزہ کیسے وقوع پذیر ہوا اس بارے محققین کی کئی آراء ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

مدوجزر کا نظریہ:

مسلمانوں علماء اور عیسائیوں محققین میں سے اکثر کے نزدیک یہ معجزہ مدوجزر[1] کے سبب وقوع پذیر ہوا۔ قرآن کریم میں اس معجزہ کے حوالہ سے متعدد مقامات پر ذکر ہے۔ اس معجزہ کی حقیقت کو حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

"اس واقعہ کے سمجھنے کے لئے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق تمام معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور کسی انسان کا ان میں دخل اور تصرف نہیں ہوتا، پس حضرت موسیٰؑ کا عصا اٹھانا اور سمندر پر مارنا صرف ایک نشانی کے لئے تھے۔ نہ اس لئے کہ حضرت موسیٰؑ کا یا عصا کا سمندر کے سمٹ جانے میں کوئی دخل تھا۔"[2]

نیز فرمایا:

"قرآن کریم کے الفاظ سے ہرگز ثابت نہیں کہ سمندر کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اور اس میں سے حضرت موسیٰؑ نکل گئے تھے۔ بلکہ قرآن کریم میں اس واقعہ کے متعلق دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک فَرَقَ اور ایک اِنْفَلَقَ کا۔ جن

---

[1] چاند کی کشش سے زمین پر موجود سمندروں میں پانی کا اتار چڑھاؤ ہوتا جسے مدوجزر (Tides) کہا جاتا ہے۔ 24 گھنٹوں میں دو مرتبہ مدیعنی سمندری پانی میں چڑھاؤ اور دو دفعہ جزر یعنی سمندری پانی میں اتراؤ ہوتا ہے۔ چاند کی کیم، 13 تا 15 اور تیس کو جبکہ زمین، چاند اور سورج ایک ہی خط مستقیم پر آجاتے ہیں تو چاند اور سورج کی کشش مل کر ان دنوں میں غیر معمولی طور پر مدپیدا کرتے ہیں۔ اس دنوں میں بعض اوقات لہریں 30 فٹ بلند پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس عمل کو مدوجزا کبر کا نام دیا جاتا ہے۔ 6:15 صبح اور 6:15 شام کو مد شروع ہوتا ہے اور 12 بجے سب سے بڑی لہر آتی ہے۔ اس کے بعد جزر شروع ہو جاتا ہے جو اگلے چھ گھنٹے تک چلتا ہے۔

[2] تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ المسیح الثانیؓ، جلد 1 صفحہ 419-420۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

کے معنے جدا ہو جانے کے ہیں۔ پس قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق اس واقعہ کی یہی تفصیل ثابت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے گذرنے کے وقت سمندر جدا ہو گیا تھا۔ یعنی کنارے سے ہٹ گیا تھا۔ اور جو خشکی نکل آئی تھی اس میں سے بنی اسرائیل گزر گئے تھے۔ اور سمندر کے کناروں پر ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ . .

اس واقعہ میں معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایسے وقت میں سمندر کے سامنے پہونچایا جبکہ جزر کا وقت تھا۔ اور حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ اٹھاتے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت پانی گھٹنا شروع ہو گیا۔ لیکن فرعون کا لشکر جب سمندر میں داخل ہوا تو ایسی غیر معمولی روکیں اس کے راستہ میں پیدا ہو گئیں کہ اس کی فوج بہت سست رفتار سے بنی اسرائیل کے پیچھے چلی۔ اور ابھی سمندر ہی میں تھی کہ مد آگئی اور دشمن غرق ہو گیا۔"[1]

نیز آپؓ نے پانی کی دیواریں بننے کے غلط مطلب کو اس کے صحیح مفہوم کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے:

"جب سمندر ہٹا تو ہر ایک ٹکڑا ایک اونچے ریت کے ٹیلہ کی طرح ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قرآن کریم کا یہ منشاء ہوتا کہ سمندر دو ٹکڑوں میں پھٹ گیا تو کُل کا لفظ جو نکرہ مفرد پر آیا ہے کبھی استعمال نہ ہوتا۔ پس کُل کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس موقعہ پر سمندر پھٹا نہ تھا بلکہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ اور جیسا کہ ان سمندروں میں ہوتا ہے جن کے کناروں پر چھوٹے گڑھے پانیوں کے ہوتے ہیں۔ سمندر کے ہٹنے پر وہ پانی کے مواقع پانی سے بھرے رہتے ہیں۔ ایسا ہی اس وقت ہوا۔

بنی اسرائیل کے ایک طرف سمندر تھا۔ اور ایک طرف وہ چھوٹی چھوٹی جھیلیں جو سمندر کے کنارے پر واقع تھیں۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے درمیان میں گزرنے والوں کو وہ اٹھی ہوئی نظر آتی تھیں۔ چنانچہ بحیرہ احمر کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کنارے پر بہت سی جھیلیں ہیں جو پرانے زمانہ میں اور بھی زیادہ تھیں[2] جیسا کہ پرانے نقشہ جات سے ثابت ہے۔"[3]

مسلمان مفسرین اس معجزہ کو غیر فطری طور پر سمجھتے ہیں۔ رشید رضا نے اپنی تفسیر میں اس کو اس طرز پر بیان کیا ہے کہ جو لوگ اس معجزہ کو نہیں مانتا اس کی وضاحت میں مد و جزر کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔[4]

عیسائی محققین میں سے اکثریت اسی نظریہ کو زیرِ بحث لاتے ہیں مثلاً Peake اور Dummelow کی

---

[1] تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ المسیح الثانیؓ، جلد 1 صفحہ 420 ضیاء الاسلام پریس ربوہ

[2] جوزیفس کی تاریخ میں پانچ ایسی جھیلوں کا ذکر ملتا ہے جو سویز سے میڈیٹرینین سمندر تک پائی جاتی تھیں۔ جھیل بالہ، جھیل تمساح، بڑی مارہ جھیل، چھوٹی مارہ جھیل وغیرہ۔ ناقل

[3] تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ المسیح الثانیؓ، جلد 1 صفحہ 420 ضیاء الاسلام پریس ربوہ

[4] تفسیر القرآن الحکیم، تالیف محمد رشید رضا، المجلد الاول صفحہ 35، دار المعرفة للطباعه والنشر بیروت۔ لبنان الطبعة الثانیة

کمنٹریز([1])([2]) نیز کیتھولک کمنٹری میں بھی اسی نظریہ کی تائید کی گئی ہے۔[3] اس نظریہ کے ساتھ ساتھ عیسائی محققین بائبل کے قول کے مطابق یہ بات بھی پیش کرتے ہیں ہیں کہ پوربی آندھی سے یہ عمل زیادہ بہتر طور پر وقوع پذیر ہوا۔

تیز آندھی کا نظریہ:

بائبل میں سمندر کا ظاہری طور پر دو حصوں میں بٹنے کے لئے آندھی کو سبب قرار دیا گیا ہے۔ بائبل کے اس مفروضہ پر بھی ماہرین نے تحقیقات کر کے سچا ثابت کر دکھایا ہے۔ اس تھیوری پر Doron Nof اور Nathan Paldor نے اپنی تحقیقات پیش کیں۔ ان کی تھیوری کا محور خلیج سویز ہے۔ خلیج سویز تقریباً 350 کلومیٹر لمبی اور 30-20 کلومیٹر چوڑی ہے۔ اس کا درجہ حرارت 22°C ہوتا ہے اس کے دونوں طرف پہاڑی سلسلے ہیں۔

اگر ایک معتدل آندھی جس کی رفتار 45 میل فی گھنٹہ ہو اور وہ مسلسل 10 گھنٹے تک چلے (جیسا کہ بائبل میں لکھا ہے کہ ساری رات پوربی آندھی چلتی رہی) تو یہ سمندر کی سطح کو 2.5 میل تک پیچھے لے جائے گی یعنی اس سے سطح سمندر 8.2 فٹ تک کم ہو گی۔ خروج کے وقت اس حساب سے خلیج عقبہ کے انتہائی شمال سے سمندر دونوں اطراف سے 1.2 کلو میٹر پیچھے ہٹ گیا جس کے سبب بنی اسرائیلی سمندر کے ابھری ہوئی سطح سے گزر گئے۔ جب ہوا نے اپنا رخ تبدیل کیا تو چند منٹوں میں پانی اپنی اصلی حالت میں آگیا۔ اور فرعونی غرق ہو گئے۔[4] یہ دو خاکے اس نظریہ کو سمجھنے کے لئے درج کئے جاتے ہیں۔

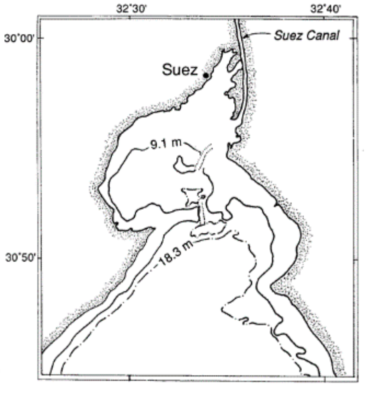

خلیج سویز کے انتہائی شمالی کنارے کا خاکہ

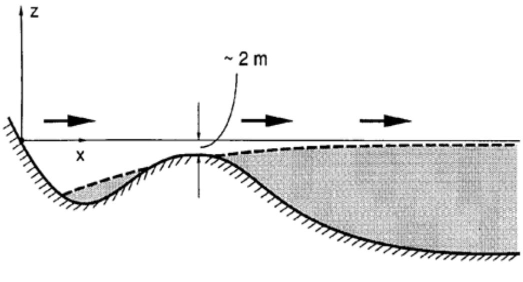

خلیج سویز کے انتہائی شمالی کنارے کا ممکنہ Elevated خاکہ

---

1. A Commentry of the Bible, by Peake M.A, D.D. p:180 Thomas Nelson and sons LTD. Printed in 1919.
2. A Commentary of The Holy Bible, edited by: Rev. J.R. Dummelow, p:61. Macmillan and Co, Limited London 1944.
3. A New Catholic Commentary on Holy Scripture, by: Rev. Reginald C. Fuller, p:214
4. Are there oceanographic explanations for the Israelites' crossing of the Red sea? by: Doron Nof & Nathan Paldor, Bulletin American Meteorological Society". Vol.73, No. 3, March 1992 p305-314

سونامی اور آتش فشاں کا نظریہ:

Gressmann کا یہ نظریہ ہے کہ کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹنے سے سمندر کا پانی بہت حد تک پیچھے ہٹ گیا تھا۔ جس کے سبب بنی اسرائیل اس جگہ سے گزر گئے تھے۔ خلیج عقبہ کے قریب ایسے آتش فشاں پہاڑ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بحرۂ احمر کی مغربی شاخ (خلیج سویز) میں آتش فشاں پہاڑ نہیں پائے جاتے۔ Gressmann کے نزدیک بنی اسرائیل نے خلیج عقبہ سے سمندر کو پار کیا تھا۔ نیز اپنے اس نظریہ کی تائید میں وہ یہ بات پیش کرتا ہے کہ 1538ء میں Naples کے قریب Mount Nuovo پھٹنے سے سمندر دو سو قدم تک پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اور پانی واپس آنے میں اتنا وقت لگ گیا تھا کہ لوگوں نے اپنی گاڑیوں میں مچھلیوں بھر لیں تھیں۔[1]

2002 میں BBC نے ایک ڈاکیومنٹری بنائی جس میں خروج کے حالات واقعات کی سائنسی لحاظ سے توجیہات پیش کی گئیں۔ سمندر کے پھٹنے کے حوالے سے University of Hawaii کے مشہور ماہر ارضیات (geologist) Floyd McCoy نے اس ڈاکیومنٹری میں اپنا نظریہ پیش کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس عظیم الشان واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کا امکان اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ یونان کے Santorini نامی جزیرہ میں آتش فشاں پھٹنے کے سبب ایک بہت بڑا سونامی آیا ہو۔ (یہ جزیرہ مصر کے شمال میں 500 میل کے فاصلہ پر ہے۔) اس بات کا کسی کو یقین ہو یا نہ ہو ہمیں بہر حال اس کے ثبوت ملے ہیں۔ دراصل سونامی سے سمندر کی تہہ بہت حد تک متاثر ہوتی اور نیچے سے کثرت سے گارا اٹھتی ہے۔ اس گارے کے آثار بھی بتاتے ہیں کہ لہریں کس سمت کو گئیں۔ جب کمپیوٹر کے ذریعہ ان لہروں کا پھیلاؤ ناپا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ بحرۂ روم کو پار کر کے نیل کے ڈیلٹا کو بھی ٹکرائی ہوں گی۔[2]

خلاصہ بحث:

مصر سے بنی اسرائیل **"شمال کی طرف سے گئے یا وسط سے یا جنوب سے۔ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتا۔"** ایک چیز جو اہمیت رکھتی ہے اسے قرآن کریم نے بڑی تحدی سے پیش کیا ہے کہ: وَ اِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ۔ (البقرہ: 51) لٰہذا یہ معجزہ بڑی شان سے پورا ہوا اور خدا تعالیٰ کا نبی الٰہی تائید و نصرت سے فتح کی طرف گامزن ہوا اور فرعون اپنے انجام کو پہنچا۔

❁❁❁❁❁

---

[1]. A Commentry of the Bible, by Peake M.A, D.D. p:180 Thomas Nelson and sons LTD. Printed in 1919.
[2].http://m.explorefaith.org/faith/explore_the_bible/old_testament/crossing_the_red_sea.php

ردّ دہریت

ایک معروف دہریہ Richard Dawkins کے اعتراضات کے جواب

(وسیمہ اُپل صاحبہ (آسٹریلیا) بنت پروفیسر چوہدری رحمت علی مسلم صاحب (مرحوم))

کائنات، سائنس اور مذہب

گزشتہ چھ شماروں سے مشہور دہریہ مصنف رچرڈ ڈاکنز کی کتاب The God Delusion کے حوالہ سے بعض حقائق کو پیش کیا جا رہا ہے جس سے اس کتاب کے مندرجات کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ گزشتہ شمارہ میں قارئین کے سامنے قرآن مجید کی ان مختلف آیات کا حوالہ دیا گیا تھا جو کائنات کے بعض اسرار کو بیان کرتی ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں دکھایا گیا تھا کہ یہ سب باتیں قرآن مجید نے آج سے 1500 سال پہلے بیان کی تھیں اور آج سائنس ان کی جو تشریح کرتی چلی جا رہی ہے تو انسان ورطہ حیرت میں ہے کہ یہ حقائق کیسے عظیم الشان ہیں۔ اسی سلسلہ میں کچھ مزید چیزیں آج قارئین کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔

ڈاکنز جیسے بہت سے دہریہ کہتے ہیں کہ کائنات خود بخود ہے حیرت ہے کہ اتنے انکشافات کے بعد بھی انہیں نہ تو کائنات میں وہ خوبصورتی دکھائی دیتی ہے اور نہ وہ تناسبت اور توازن جو ایک مدبر بالا خالق کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ڈاکنز جیسے لوگوں کو ڈارون temptation اتنی زیادہ ہے کہ کائنات بھی ان کو ایک حادثات کا تسلسل ہی نظر آتی ہے۔ گویا بہت سی haphazard کائناتیں بن گئیں اور ڈارون کے اصول کے تحت ایک the fittest کی selection ہو گئی۔ گویا ہماری یہ موجودہ کائنات سب سے بہترین اور بڑی ہی متوازن اور بڑی ہی خوبصورت تھی اور اس میں کوئی عیب نہیں بچا تھا اسی لئے جب باقی کائناتیں تباہ ہو گئیں تو یہ کائنات اپنے کامل ہونے کی وجہ سے بچ گئی۔ دوسری طرف ڈاکنز یہ بھی کہتا ہے کہ کائنات میں کوئی ڈیزائن نہیں ہے اس لئے اس کا کوئی ڈایزائنر نہیں ہو سکتا۔ اب ایک عقل مند آدمی سوچ سکتا ہے کہ اس کے اپنے عقائد کس قدر متضاد اور خلاف عقل ہیں۔

سائنس دانوں میں سے ایک بہت ہی ذہین انسان نیوٹن تھا اور اس کو معلوم تھا کہ کائنات میں اصول و ضوابط ہیں

planetsکی conditionsہیں parametersہیں۔ نیوٹن کے قوانین laws of motionاور gravity کے مطابق ایک خاص رفتار ہے اور ہم چاند کی constant رفتار اور فاصلے کو سارا سال دیکھتے ہیں۔ یہ رفتار بڑی fixed ہے۔ اسی وجہ سے ہم یہ اندازہ بھی لگالیتے ہیں کہ آج چاند کدھر ہے، کل کدھر ہوگا، ایک ہفتہ بعد کہاں اور پورا سال یہ کیسے جگہ بدلتا رہتا ہے۔

اسی طرح روشنی کا flow اور اس کی properties کو دیکھ کر جرمنی کے ایک ماہر فزکس Max Planck(1858تا1974) نے ایک بہت بڑی دریافت کی۔ یعنی یہ کہ روشنی دراصل quantas کا مجموعہ ہے یعنی توانائی جو روشنی کی شکل میں سفر کرتی ہے اس energy کا سب سے چھوٹا unit ایک کوانٹا ہے۔ اس کو ہم EM بھی کہتے ہیں۔ مثلاً سورج کی جو روشنی ہم تک پہنچتی ہے وہ electromagnetic radiations کی شکل میں سفر کرتی ہے اور یہ ریڈی ایشنز دراصل quantas کا مجموعہ ہے۔ Max Planck کو 1918ء میں اس کی اسی دریافت پر نوبل انعام دیا گیا جب اس نے energy کے چھوٹے ترین ذرات کے interaction اور ان کے behavior سے ستاروں کے بننے کا عمل اور ان کے درمیان gravity کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے معلوم کیا کہ کیسے ستارے چمک اٹھتے ہیں۔

قدرت کے قوانین کو دیکھ کر ہی سائنس دانوں نے وہ جادوئی عدد یعنی constants دریافت کئے جن سے پھر بہت سی مشکلیں حل ہوئیں اور بہت سی equations بنائیں گئیں۔ جیسے کہ Planck's constant۔ آئن سٹائن کی Theory of General Relativity۔ نیوٹن کے حرکت کے قوانین، جیسے کہ F= ma اور G(Universal Gravitational Constant) کی value۔ اور اسی طرح اور بھی بہت سے جادوئی اور ہمارے علم کی وسعتیں بڑھانے والے اعداد۔ ان سب values کو جاننے کے لئے ہمیں قدرت کے شاہکاروں کا نظارہ کرنا پڑتا ہے۔ 29 مئی 1919ء کو سورج گرہن لگا تو اس واقعہ سے آئن سٹائن کی Theory of Relativity ثابت ہوئی۔ Sir Arthut Eddington نے ستاروں کے جھرمٹ Hyades کو دیکھا کیونکہ سورج گرہن کے وقت سورج اس cluster کے پاس سے گزر رہا تھا۔ انہیں یہ ثابت کرنا تھا (جو آئن سٹائن کہہ رہا تھا) کہ روشنی جب کسی planet کے gravitional field سے گزرتی ہے تو curve کرتی ہے اور یہ سورج گرہن کے وقت ہی ثابت کیا جاسکتا تھا۔ اسی وقت قریبی ستاروں کی light سورج کی مانند gravity سے گزر کر bend ہوتی ہے اور ستاروں کی gravity shifted position کی صحیح measurement کی جاسکتی ہے۔ 1919ء کے سو سال بعد Gravitional waves ثابت ہوئیں اور آئن سٹائن کی theory کی تصدیق ہوئی۔

1797-98ء میں Henry Cavendish نے تجربہ کرکے Force of gravity جو اجسام یا اجرام کے بیچ ہوتی ہے اس کی بالکل صحیح value کو calculate کیا(upto six deci. places) اور نیوٹن کی G(gravitational

constant) جو کائنات کے مطالعہ سے calculate کی تھی confirm ہوئی۔

پس قوانین قدرت اپنی دریافت سے بہت پہلے سے ہی کائنات میں کام کر رہے ہیں ان کو کائنات کے مالک اور خالق نے بنایا اور انسان کو دعوت دی کہ غور و فکر کرو۔ عقل مند سائنس دان رہنمائی لیتے رہے اور جانے انجانے میں خدا کا وجود ہی ثابت کرتے رہے۔

یہ صرف gravity یا Electromegnatic radiation کی بات نہیں کہ Planck نے اس کی وہ constant value بتا دی جس سے اس سے متعلقہ مسائل حل ہو جاتے تھے۔ بلکہ ہمیں Higgs field کی strength کا بھی علم ہے جو سائنسی تحقیق سے ہمیں معلوم ہوئی۔ اسی طرح quarks کے angles کو study کر کے values بنائی گئیں۔ اس کے علاوہ بہت سے قوانین قدرت ہیں جن کو ہم نے Maths سے calculate نہیں کیا بلکہ قدرت میں مشاہدہ کیا ہے۔ کائنات میں خدا کی working یعنی اس کے فعل کے قوانین موجود ہیں ان کو انسان اپنی observation سے تلاش کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن بار بار دعوت دیتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کو، زمین کی گردش کو، سورج چاند کو دیکھو ان کی movement پر غور کرو تو تم کو آیات نظر آئیں گی یعنی سائنسی قوانین معلوم ہوں گے۔ ان کو دریافت کر لو تو تمہارے لئے نئے نئے جہان کھلتے چلے جائیں گے۔ پھر دوبارہ غور کر لو تو وہ constant اپنی ہی جگہ موجود نظر آئیں گے۔ یہی خالق کائنات اور مالک کائنات نے قرآن کی سورۃ الملک میں فرمایا، یعنی اسی نے جس نے یہ اصول وضع کئے۔ جب بھی سائنس دان تحقیق کریں گے قرآن کے حقائق اور سائنس میں کوئی تضاد نہ ہو گا۔ اور معلوم ہو گا کہ چھوٹے ترین level پر بھی یعنی subatomic particles کے quarks اور electrons کے بھی rules ہیں۔ یعنی کتنے up quarks اور کتنے down quarks ہوں گے اور ان کی کیا properties ہوں گی۔ ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام صاحب کے مطابق Bosons چار forces کو carry کرتے ہیں۔ W اور Z Bosons بھی آپ نے ہی predict کئے تھے جو بہت بعد میں دریافت ہوئے۔ اسی طرح Higgs boson کے بارہ میں بھی ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام صاحب نے predict کیا تھا کہ ان ذرات کو mass دینے والی کچھ چیزیں ہیں اور 2013ء میں جب اس کی discovery ہوئی تو CNN پر ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام صاحب کی بہت بڑی تصویر کے ساتھ خبر آئی کہ کہ یہ credit اس عظیم سائنس دان کو جاتا ہے کیونکہ انہوں نے ایٹم کی ساخت اور weak force پر کام کیا تھا اور unification theory کا تصور پیش کیا اور ثابت کیا کہ چھوٹے ترین level پر بھی pair کا سسٹم ہے اور اسی سے ساری کائنات perfectly چل رہی ہے۔

سائنس دان انہی قوانین قدرت کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر فزکس کے مقالے اور کتابیں لکھتے ہیں اور مختلف units کو گرام، فٹ، پاؤنڈ اور میٹر میں لکھتے ہیں۔ یہ اصول صرف جمادات تک ہی محدود نہیں بلکہ ہماری زمین پر ساری زندگی، ساری

Biology قدرت کے بنائے گئے اصولوں پر ہی چل رہی ہے دیکھو شہد کی مکھی کی زندگی، عنکبوت (spider web) کا life style، دیمک، چیونٹیاں، سب قدرت کی عطا کردہ فطرت DNA codes کے تحت کام کر رہے ہیں جو زندگی بننے کے ابتدائی ادوار میں بنا دی گئی تھی اور لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ کے مطابق آج بھی ان کے DNA کی تحریر وہی ہے۔ پس قوانین قدرت constant ہیں اور ڈارون یا ڈاکنز کے Blind principle کے مطابق نہیں۔

دہریہ ڈاکنز کا یہ کہنا ہے کہ اچھا سائنس دان وہ ہے جس کا مذہب نہیں۔ سائنس اور مذہب اکٹھے نہیں چل سکتے۔ کیونکہ ان دونوں چیزوں میں تضاد ہے۔ اگر سائنسدان ریسرچ کرنے سے پہلے مذہب کو پھینک دیں تو ٹھیک ہے۔ ڈاکنز کا یہ موقف ہر لحاظ سے غلط ہے کیونکہ موجودہ دور کی سائنس کی اکثر شاخوں کے بانی مسلمان سائنس دان عباسی سنہری دور سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں بھی بہت سے عیسائی یہودی سائنس دانوں نے خدا کی ہستی کو کائنات کی تخلیق کی خوبصورتی اور توازن کا ذمہ دار کہا۔ نیوٹن، گلیلیو، پاسکل، Descaarte مذہبی تھے اور عظیم سائنس دان بھی۔ یہ سب جانتے تھے کہ خدا کی ذات Delusion نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ بہت سے ماہرین فزکس اور کیمسٹری مذہبی تھے جن میں سے بعض نوبل انعام یافتہ بھی تھے اور بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ مثال کے طور پر:

Professor Warner Archer (1866ء-1919ء)

یہ زیورخ یونیورسٹی میں بہت بڑا کیمسٹری کا استاد تھا، اور 1913ء میں اسے اس کی سائنسی دریافتوں پر نوبل انعام ملا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں خوش ہوں کہ خدا کے وجود نے مجھے زندگی کے کئی سوالات کے جواب کے لئے مدد کی۔ کائنات میں بھی اور ہمارے ارد گرد بھی اور ایٹم میں بھی جو ہر طرف یکساں طور پر forces ہیں یہ سب خدا کا ہی کمال ہے۔

Professor Christian Anfinsen (1916ء-1995ء)

امریکی Biochemist جس کو 1972ء میں پروٹین کا structure اس کی 3D shape اور اس میں کون سے اور کتنے amino acid ہیں اور وہ کس ترتیب سے ہوتے ہیں پر تحقیق کرنے پر نوبل انعام ملا۔ اس کا کہنا تھا کہ

I think only an idiot can be an atheist. We must admit that there **exists** an incomprehensible power or force with limitless foresight and knowledge that started the whole universe going in the first place

مفہوماً ترجمہ: میرا خیال ہے کہ صرف کوئی احمق ہی دہریہ ہو سکتا ہے۔ ہمیں ماننا چاہیے کہ ایک ایسی ناقابلِ فہم قوت یا طاقت موجود ہے جس کے پاس لامحدود بصیرت اور علم ہے، اور جس نے ابتدا میں کائنات کو چلانا شروع کیا۔

(Margenau and Varghese: Cosmos, Bios, Theos. page 138 Open Court Illinois 1993)

Professor D.H.R. Barton (1918ء-1998ء)

ایک English ماہر کیمیا دان، جس نے بہت سے organic compounds کا structure دریافت کیا اور بتایا کہ کاربن کی کتنی اہمیت ہے۔ خاص طور پر Biology کے تعلق سے مختلف carbon compounds کا structure بتایا۔ اس کی بہت سی تحقیق Imperial College London میں تھی۔ 1957ء میں یہاں کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ میں پروفیسر کے طور پر کام کر رہا تھا جب 1969ء میں نوبل انعام ملا۔ یہ سائنس دان بھی خدا کو سچ Truth مانتا تھا اور اسے یقین تھا کہ مذہب اور سائنس میں کوئی تضاد نہیں۔

"God is truth. There is no incompatibility between science and religion. Both are seeking the same truth. Science shows that God exists."

مفہوماً ترجمہ: یعنی خدا سچ ہے۔ سائنس اور مذہب کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی سچائی کی تلاش میں ہیں۔ سائنس یہی ظاہر کرتی ہے کہ خدا موجود ہے۔

Professor Sir Neville Mott (1996ء-1905ء)

فزکس کا ماہر جس کو 1977ء میں نوبل انعام ملا۔ اس نے اپنے طور پر semiconductors کی خاصیتیں electric and magnetic معلوم کیں۔ یہ وہ سائنس دان تھا جو معجزات کو مانتا تھا خاص طور پر حضرت عیسیٰؑ کے جی اٹھنے recurrection کو۔ اس کے علاوہ personal God میں بھی ایمان تھا۔ 1991ء میں اس نے کتاب لکھی can Scientists believe in God اور لکھا کہ میں خدا میں believe کرتا ہوں۔ لیکن سائنس اور سائکولوجی psychology انسانی شعور کی وضاحت نہیں کر سکتے۔ یہ انسان اور خدا کے تعلق کا معاملہ ہے۔ قوانین قدرت میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ انہی کے تحت خدا کے کام چل رہے ہیں۔

Professor Dr, Abdul Salam (1996ء-1926)

پہلے عظیم پاکستانی مسلمان سائنس دان محمد عبدالسلام صاحب نے 1979ء میں نوبل انعام حاصل کیا۔ آپ کی فزکس کے میدان Theoratical Physics میں شاندار خدمات اور تحقیقات ہیں۔ Theory of electroweak interaction پر آپ کو نوبل انعام ملا۔ آپ ایک خدا پر پختہ یقین رکھتے تھے اور قوانین قدرت میں خدا کی ذات کو شامل کرتے تھے آپ نے کہا تھا اگر میں ایک خدا پر ایمان نہ رکھتا تو یہ ریسرچ اور اس کی کامیابی نہ ہو پاتی۔ یہ کائنات کے عجائبات ہیں جن کو دیکھ کر بہت سے سائنس دان ایک "عظیم الٰہی ہستی" میں یقین رکھتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے

بہت بڑی حقیقت بتائی کی آئن سٹائن بھی اس ہستی کو "بزرگ و برتر ذہین" "تمام مخلوقات کا رب اور قوانین کا خالق کہتا تھا۔

کئی اور مشہور سائنس دان جو نوبل یافتہ تھے وہ کائنات کی خوبصورتی، زیبائش، حسن و جمال کو دیکھتے تو انہیں اس کے پیچھے ایک عظیم طاقت کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ کچھ اور نوبل انعام لینے والے سائنس دانوں کی تحریر سے اور ان کی سوچ سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔

(1902ء-1995ء) Professor Eugene Wigner

قوانین قدرت اور خدا کی طاقتوں کا مظاہرہ کرنے والا ہنگری کا سائنس دان جس نے ایٹم کے nucleus اور elementary particales کے مطالعہ سے اور ان میں بنیادی ہم آہنگی fundamental symmetry کے تعلق سے Winger's theorem سے دنیا کو روشناس کروایا، جس سے Quantum mechanics کی ابتدا ہوئی۔ اس کے علاوہ اس کی اور بھی تحقیقات ہیں مثلاً وہ تحقیق جو دوسرے سائنس دانوں کے ساتھ یورینیم اور پھر nuclear reactors کی طرف منتقل ہوئی۔ اس کا خیال یہی تھا کہ خدا کا تصور ایک حیرت انگیز حقیقت ہے اور اسی سے ہم درست سمت میں رہتے ہیں۔

(1933ء-2024ء) Dr. Arno Penzias

امریکی فزکس کا استاد جس کی مشہور تحقیق جس نے Big Bang کو confirm کیا جب اس نے دوسرے سائنس دانوں کے ساتھ مل کر Cosmic microwave background کو discover کیا یہ سائنس دان مذہباً یہودی تھا اور اسے 1978ء میں نوبل انعام دیا گیا۔ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کو اس کے فعل سے دیکھتا ہوں۔ **خدا کا ہاتھ** کائنات میں ایک خالق creator اور ایک planner کا ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں Order دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ یہ بے مقصد نہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"If there are a bunch of fruit trees, one can say that whoever created these fruit trees wanted some apples. In other words, by looking at the order in the world, we can infer purpose and from purpose we begin to get some knowledge of the Creator, the Planner of all this. This is, then, how I look at God. I look at God through the works of God's hands and from those works imply intentions. From these intentions, I receive an impression of the Almighty."

'The God I Believe in', Joshua O. Haberman - editor, New York, Maxwell Macmillan International, 1994, 184[1]

[1] https://2012daily.com/?q=node/92

(1921ء-1999ء) Professor Arthur Schawlow

یہ قومیت کے لحاظ سے امریکی تھے اور فزکس کے استاد تھے اور LASER کے بارے میں وضاحت کرنے پر 1981ء میں نوبل انعام کے حق دار ٹھہرے تھے۔ انہوں نے یہ بہت سچی بات کہی کہ دنیا میں زندگی یعنی Biology کے عجائبات دیکھو یا کائنات پر غور کرو تو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کیسے ہوا یا کیوں ہوا؟ ان سوالوں کا واحد جواب یہی ہے کہ کائنات میں اور میری زندگی میں مجھے ایک خدا کی ضرورت ہے۔

It seems to me that we confronted with the marvels of life and the universe, one must ask why and not just how. The only possible answers are religious… I find a need for God in the universe and in my own life.

(Margenau and Varghese: Cosmos, Bios, Theos. page 105 Open Court Illinois 1993)

(1915ء-2015ء) Professer Charles H. Townes

امریکی سائنس دان جس نے Quantum electronics کے ساتھ LASER اور microwaves کی devices پر کام کرکے 1997ء میں نوبل انعام لیا۔ یہ بھی خدا اور اس کی existence کو مانتا تھا۔

(1903ء-1997ء) Sir John Eccles

آسٹریلین neurophysiologist جسے 1963ء میں (دوسرے دو سائنس دانوں کے ساتھ) نوبل انعام ملا اس نے کہا تھا کہ میں ایک باشعور وجود ہوں جس کو خدا نے بنایا ہے۔

If I consider reality as I experience it, the primary experience I have is of my own existence as a unique self-conscious being which I believe is God-created.

(Margenau and Varghese: Cosmos, Bios, Theos. page 160 Open Court Illinois 1993)

اس سائنس دان نے بہت عقلمندی کی بات کی کیوں کہ Brain اور mind کو سمجھتا تھا اور اس حقیقت سے واقف تھا کہ جب شعور کا ارتقا ہوا تو وہی وجود انسان کہلایا۔

میں نے کوشش کی ہے کہ چند ان سائنس دانوں کا ذکر کروں جو ذہانت کے اعلیٰ معیار پر تھے اور مذہب کو ساتھ لے کر تحقیق کرتے رہے اور خدا کے وجود کے قائل تھے۔ یہ سب نوبل انعام یافتہ تھے۔ رچرڈ ڈاکنز جو خود کو بڑا سائنس دان اور evolution کا علمبر دار سمجھتا ہے جان لے کہ ان سائنس دانوں نے اپنے faith کو laboratory کے باہر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ساتھ ہی اندر گئے اور تحقیق کے دوران بہتوں نے خدا سے رہنمائی حاصل کی اور خدا کے وجود کو confirm کیا۔ ان کے remarks بہت پر اثر ہیں۔

پس ایمان اور خدا تعالیٰ پر یقین ایک نعمت ہے۔ خدا سے تعلق اور اس پر ایمان ایک تحفہ ہے۔ ایک ایسا تحفہ جو خدا کے فضل سے ایک نعمت کے طور پر ملتا ہے۔ جو اس سے محروم ہے وہ نہ صرف بد بخت بلکہ عقل اور شعور سے بھی عاری ہے۔ جو یہ کہے کہ کائنات میں بہت سے مختلف سسٹم۔ بغیر کسی cause کے اور بے ترتیب چلے اور صرف ایک ڈارون کے اصول سے ہی selection ہو گئی اسے چاہیئے کہ ان بے شمار سائنس دانوں کی ریسرچ کو سمجھے ان کے خیالات کو سنے اور جان لے کہ کائنات کا ایک عظیم الشان اور علیم و خبیر خالق ہے جو بہترین مصور اور احسن الخالقین ہے۔ اس نے کچھ بھی بے ترتیب نہیں بنایا نہ Macro universe اور نہ ہمارا جسم جو Micro universe ہے۔

کائنات کے عجائبات میں سے کہکشائیں بہت حیران کرنے والی چیز ہیں۔ یہ آسمان میں BigBang کے نتیجہ میں بنی تھیں۔ جب گیس اور dust کا cloud اور اس کے اندر trillions ستارے گھومنے لگے۔ اس کے اندر کئی نظام شمسی بنے، ہماری زمین بھی انہی میں سے ایک نظام شمسی میں ہے۔ اگر آپ ایک تاریک رات کو آسمان پر نظر دوڑائیں تو آپ کو اپنی Milky way galaxy کے دوسرے کروڑوں کروڑ ستارے اور dust کے bands نظر آئیں گے۔ یہ کائنات کا خوبصورت نظارہ ہے جو افق کے ایک سرے سے دوسرے تک نظر آتا ہے۔ سن 2004 میں Hubble space telescope سے جب کائنات کی ایک تصویر کھینچی گئی تو اس نے کائنات کا معمولی سا حصہ ہمیں دکھایا اور دس ہزار کہکشائیں دریافت کیں۔ جن کی مختلف شکلیں کئی رنگ اور مختلف سائز ہیں۔

سائنس دانوں کا اندازہ ہے کہ ہماری کائنات میں One hundred billion کہکشائیں ہیں۔ 1920ء تک ہم ایک ہی کہکشاں کو جانتے تھے یہاں تک کہ Edwin Hubble نے بتایا کہ ہماری کہکشاں کے نزدیک ترین گلیکسی Andromeda ہے اور ہماری کائنات بہت وسیع ہے اور کہکشائیں زیادہ تر spiral شکل کی ہیں۔ یہ اپنے مرکز کے گرد گھومتی ہیں ایک دوسرے کے قریب آسکتی ہیں اور ٹکرا بھی سکتی ہیں۔ Prof. Brian Cox کے مطابق کہکشاؤں کی speed جس سے وہ گھومتی ہیں اور جس طرح وہ ایک دوسرے سے interact کرتی ہیں یہ ایک عجوبہ ہے۔ ہماری گلیکسی کا move کرنا کوئی عام spin نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک انتہائی خوبصورت طریقے سے ڈانس کرتی ہے۔ جوں جوں کہکشائیں اپنی رفتار کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہو رہی ہیں توں توں کائنات پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ سائنس دانوں Neil de Grasse اور Harlow Shapley اور William Parrons کے مطابق یہ ہماری گلیکسی کی motion ایک cosmic dance ہے جو mind blowing اور breath taking ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات میں ہمارا کیا مقام ہے لیکن اس راز کو سمجھنا آسان نہیں۔ ہم کہہ دیتے ہیں یہ gravitational interaction کی وجہ سے کہکشاؤں میں ایک اندرونی ربط ہے۔ ہماری گلیکسی کے بارے میں اور بھی بہت سے cosmic wonders ہیں مثلاً پہلے خیال تھا کہ یہ کہکشاں flat spiral

ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ تو کناروں سے tewisted ہے جو کہ ایک بڑی عجیب شکل ہے۔ کچھ سائنس دانوں کا خیال ہے شاید ایسا Dark matter کی وجہ سے ہے یا ماضی میں کسی دوسری چھوٹی galaxies کے ساتھ collision کے باعث ہماری کہکشاں کی شکل میں یہ دباؤ آیا۔ سائنس دانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ کہکشائیں جہاں آگے بڑھنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہو رہی ہیں وہیں اپنے سفر میں وہ بعض جگہ ایک دوسرے کے قریب بھی ہو رہی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت کوئی ایسی دو کہکشائیں آپس میں ٹکرا جائیں اور ہر کہکشاں کا structure تبدیل ہو جائے لیکن اس سے سب کچھ ختم نہ ہو گا بلکہ پھر سے نئے ستارے بنیں گے مگر شاید آج کا انسان اس وقت نہ ہو گا کہ اس خوبصورت اور magnificient نظارے کو دیکھے۔ planets بھی ایک perfect دائرے میں چکر نہیں لگاتے بلکہ ایک dynamic طریقہ ہے۔ سورج بھی space میں چلتا اور اپنے گرد planets کو drag کرتا ہے اور ایک dance کی طرح یہ سب رواں دواں ہے لیکن اپنے سیاروں کے بیچ وہ ایک بڑا درست فاصلہ رکھتا ہے۔ زندگی بننے کے لئے DNA بھی helically coiled تھا اور وہ بھی double helix اور اسی طرح ہر turn میں فاصلہ بڑا perfect تھا۔

ہماری کائنات میں جو کہکشائیں ہیں، ان کی movement اور ان کا dance ایک بہت Giant Quantum Computer ہے۔ 18 مارچ 2025ء کو ایک tv show میں Prof. Brian Cox جو فزکس کے استاد ہیں انہوں نے بتایا کہ پانی میں بعض rare اور fascinating مخلوق جیسے جیلی فش، اس کا چلنا اور اس کے tantacles کی حرکات کہکشاؤں کی دم سے ملتی ہے یہ بالکل ویسی ہی ہے جیسے ایک گلیکسی دوسری کہشاؤں میں تیزی سے چلتی ہے۔ سائنس دان ایسے ہی عجیب و غریب اور mesmerizing واقعات سے کہکشاؤں کی evolution کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کائنات پر اسرار واقعات اور عجائب سے بھری پڑی ہے۔ اور ایسے ہی wonderful عجائبات ہمیں زمین پر موجود زندگی میں بھی نظر آتے ہیں۔ انہی کو دیکھ کر مشہور سائنس دان تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کے بہت سے عوامل سے ثابت ہو چکا کہ جیسے وہاں تخلیق کا عمل اور اس کے بعد ہونے والے واقعات نہایت Fine turned تھے ویسا ہی زندگی بنانے کے لئے اور اسے چلانے کے لئے بھی تھا۔ Anthropic Principle ہمیں یہی بتاتا ہے۔ جتنی بھی تحقیق ہوتی ہے حیرت اور تجسس اتنا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے کہ کائنات اور زندگی میں کیسا خوبصورت Design اور بہترین توازن ہے۔

ہماری کائنات static نہیں بلکہ مسلسل ارتقا پذیر ہے یعنی خدا کی صفت رب کام کر رہی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہکشاؤں کا ارتقا کیسے ہوتا ہے اس کا اندازہ ان سے آنے والی روشنی سے لگایا جاتا ہے مثلاً بہت دور کی بعض کہکشاؤں کے مرکز Quasars کہلاتے ہیں کیونکہ ان میں سے بہت طاقتور radiations نکلتی ہیں اور یہ بڑی active کہکشائیں ہیں کیونکہ ان کا بلیک ہول super massive (بہت ہی بڑا) ہے۔ ہمارے نزدیک ترین کہکشاں

Andromeda میں بھی ایک mysterious اور massive بلیک ہول ہے جس کا diameter بہت بہت بڑا ہے۔ NASA کے مطابق اس کا قطر 516 ملین میل ہے۔ اس گلیکسی کے قریب اور بھی satellite galaxies ہیں جو اس کے ساتھ ساتھ اسی طرح گھومتی رہتی ہیں جیسے ہماری زمین کے ساتھ ساتھ چاند گھومتا ہے۔ 16 اکتوبر 2023ء میں رسالہ New Scientific میں Mathew Bothwell نے لکھا تھا کہ پچھلے دس سالوں میں Hubble Space Telescope نے کائنات میں واقع عجیب و غریب اور چونکا دینے والی چیزیں دیکھیں ہیں۔ دراصل ہماری کائنات ایک بہت بڑے صحرا کی مانند ہے جس میں ہمارا نظام شمسی ایک ریت کے ذرے سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے۔

کہکشاؤں میں ایک موت اور حیات کا چکر بھی چل رہا ہے۔ بعض کہکشائیں ایسی ہیں جن میں activities ہو رہی ہیں، ستارے بن رہے ہیں، planets بن رہے ہیں اور اس کے لئے cosmic ایندھن مل رہا ہے۔ جب یہ fuel ختم ہو جاتا ہے تو اس کہکشاں میں یہ activities ختم ہو جاتی ہیں، چمکدار کہکشاں مدھم پڑ جاتی ہے اور یہ کہکشاں کی موت کا سفر ہوتا ہے۔ لیکن ان مردہ کہکشاؤں کی star dust کائنات کو چمکدار رکھتی ہے۔

gravity کی وجہ سے کائنات کی موت و حیات کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ آئن سٹائن کی General Theory of Relativity کی روشنی میں وہ اس مادہ کو اندر کی طرف کھینچتی ہے اور پھر repulsive gravity اسے باہر کو دھکیلتی ہے اور اسی عمل سے ہی ہمیں cosmos cycle کا علم ہوتا ہے۔ زمین پر ہم صرف کھینچنے والی gravity کو ہی جانتے ہیں جو اس کی clumpy چٹانوں کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن اگر وہی طاقت جس نے سب کچھ attract کیا تھا Uniformly spread ہو جائے تو یہ repulsive gravity ہے۔ کائنات میں اسی نے مادے کو باہر کو دھکا دیا اور پھر یہ مادہ وسیع ہونے لگا۔ یہی وہ عمل ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کہ ہم نے اسے لپیٹ دیا اور ہم نے کھول دیا۔ اور ہم ہی وسیع کر رہے ہیں۔ (جس کی کچھ تفصیل ہم گزشتہ حصہ میں دے آئے ہیں)

فزکس کے مشہور امریکی استاد Brian Greene نے اسی طرح gravity کی طاقت کو واضح کیا اور اس سے بہت پہلے جرمن سائنس دان Werner Heisenberg نے جب Quantum mechanics کی بات کی تو وضاحت سے بتایا کہ ایک پوائنٹ پر energy میں ایک عارضی تبدیلی Quantum fluctuation ہوتی ہے۔ اسی تبدیلی نے دراصل کائنات کو کھولا اور expansion ہوئی۔ Quantum mechanics کے موجد کو 1932ء میں نوبل انعام ملا۔ پس یہ تمام عجائبات ہیں۔

Matter	کا	behavior
Sub atomic particles	کا	energy level

Sub atomic particles	کا	behavior
Sub atomic particles	کا	interaction

اور انہی سے پھر Quantum entanglement کا وجود ہے۔

اس سے بڑھ کر کہکشاؤں کا وجود اور ان کی شکل، ان کی کائنات میں حرکت اور ان کا ایک دوسرے سے تعلق، ان کی organization، جیسے ایک Cosmic web ہو پھر ان کہکشاؤں میں ستاروں کے ترتیب سے لگے ہوئے جھرمٹ، پھر ان کے بیرونی تعلقات جہاں ایک گلیکسی نے دوسری گلیکسی کو gravity کی وجہ سے پکڑ رکھا ہے۔ یہ سب information وہ سائنس دانوں کی بیش قیمت تحقیقات کے بعد ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان سائنسدانوں کے مطابق یہ سب ایک Perfect Design ہے اور ان کی رفتار بھی اور ان کی ترتیب بھی بہت منظم اصولوں کے ماتحت ہی ہے۔ اگر کسی دہریہ کو یہ خوبصورتی نظر نہیں آتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی نظر میں فطور ہے خدا تعالیٰ کی بنائی کائنات میں نہیں۔

Michio Kaku جو فزکس کا ایک امریکی پروفیسر ہے اس نے ایک دفعہ کہا انسان کے دماغ میں جتنے neurons یعنی nerve cells ہیں (جو ایک اندازے کے مطابق 86-100 billion)اس سے زائد ہی ہماری Milky way galaxy میں ستارے ہیں۔ ہمارے دماغ کے neurons بہت اچھے طریقے سے connected ہیں۔ ایک neuroscientist؛ Wei chung Allen Lee نے دماغ کے neurons کے connections کی mapping کی ہے تا کہ معلوم کر سکیں کہ انسانی دماغ کیسے کام کرتا ہے۔ یہ سائنس دان Harvard Medical School میں research کر رہا ہے۔ اس نے 19 جنوری 2023ء کو Harvard Medicine News میں بتایا کہ انسانی دماغ ایک عجوبہ ہے جس کے اندر neural circuits ہیں اور ایک neuron دوسرے ہزارہا neurons کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ یہ کیسے کام کرتا ہے یہ اپنی جگہ ایک mystery ہے۔

کائنات کا علم cosmology اور اس کی working تو اپنے اندر بہت سے اسرار لئے ہوئے ہے لیکن زمین پر زندگی کا آغاز، ایک cell کا بننا اور پھر زندہ ہو جانا بھی بہت بڑا عجوبہ اور معمہ ہے۔ یہ کیمسٹری سے geochemistry اور وہاں سے biochemistry سے Biology کا بہت طویل سفر ہے۔ اس مضمون کے اختتام کے ساتھ اب انشاء اللہ اگلے مضمون میں ہم زمین پر زندگی کے آغاز پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ رچرڈ ڈاکنز نے جو خود ایک Biologist ہے کیسے حقائق سے نظر پھیر کر خدا تعالی کی ہستی کا انکار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس اگلے مضمون کے لکھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اے سننے والو سنو!

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”آجکل کے دنیا کے حالات جو ہیں ان کے بارہ میں اس وقت میں ایک دعا کے لیے بھی کہنا چاہتا ہوں۔...اگر بڑی طاقتیں اپنے دوہرے معیار نہ رکھتیں یا نہ رکھیں تو اس قسم کی بدامنی اور جنگیں دنیا میں ہو ہی نہیں سکتیں۔ پس ان دوہرے معیاروں کو ختم کرو تو جنگیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ یہی باتیں میں اسلام کی تعلیم کی روشنی میں ایک عرصے سے کہہ رہا ہوں لیکن سامنے تو یہ کہتے ہیں ٹھیک ہے لیکن عمل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔......

یہ لوگ جس کی لاٹھی اس کی بھینس پر عمل کرتے ہیں۔ جن کے ہاتھ میں دنیا کی معیشت ہے ان کے آگے ہی انہوں نے جھکنا ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو لگتا ہے کہ بڑی طاقتیں جنگ بھڑکانے پر تُلی ہوئی ہیں بجائے اس کو ٹھنڈا کرنے کے۔ یہ لوگ جنگ ختم کرنا نہیں چاہتے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جنگوں کے خاتمے کے لیے بڑی طاقتوں نے لیگ آف نیشنز بنائی لیکن انصاف کے تقاضے پورے نہ کرنے اور اپنی برتری قائم رکھنے کی وجہ سے یہ ناکام ہوگئی اور دوسری جنگ عظیم ہوئی اور کہتے ہیں سات کروڑ سے زیادہ جانیں ضائع ہوئیں۔ اب یہی حال یو این (UN) کا ہو رہا ہے۔ بنائی تو اس لیے گئی تھی کہ دنیا میں انصاف قائم کیا جائے گا اور مظلوم کا ساتھ دیا جائے گا۔ جنگوں کے خاتمے کی کوشش کی جائے گی لیکن ان باتوں کا دُور دُور تک پتہ نہیں۔ اپنے مفادات کو ہی ہر کوئی دیکھ رہا ہے۔

اب جو اس بے انصافی کی وجہ سے جنگ ہو گی اس کے نقصان کا تصور ہی عام آدمی نہیں کر سکتا اور یہ سب بڑی طاقتوں کو پتہ ہے کہ کتنا شدید نقصان ہو گا۔ لیکن پھر بھی انصاف قائم کرنے پر کوئی توجہ نہیں ہے اور توجہ دینے پر کوئی تیار بھی نہیں ہے۔

ایسے حالات میں مسلمان ملکوں کو کم از کم ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اپنے اختلافات مٹا کر اپنی وحدت کو قائم کرنا چاہیئے۔...ایک ہوں گے، وحدت ہو گی تو آواز میں بھی طاقت ہو گی ورنہ معصوم مسلمانوں کی جانوں کے ضائع ہونے کے یہ لوگ ذمہ دار ہوں گے، مسلمان حکومتیں ذمہ دار ہوں گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے اور یہ ان طاقتوں کا کام ہے رکھیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔ پس اس اہم بات کو سمجھیں۔...

بہرحال ہمارے پاس تو دعا ہی کا ہتھیار ہے اسے ہر احمدی کو پہلے سے بڑھ کر استعمال کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ بڑی طاقتوں کو بھی یہ توفیق دے کہ وہ دونوں طرف انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے امن قائم کرنے والی بنیں۔ یہ نہیں کہ ایک طرف جھکاؤ ہو جائے اور دوسری طرف کا حق مارا جائے۔ ظلم و زیادتی میں بڑھنے والی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم دنیا میں امن و سلامتی دیکھنے والے ہوں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 اکتوبر 2023ء، روزنامہ الفضل انٹرنیشنل 3 نومبر 2023ء صفحہ 5،6)

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131 Editor: Mahfooz ur Rehman

JULY 2025 | WAFA 1404(HS)| AL-MUHARRAM 1447(HQ)| VOL.14 NO.07

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے رسالہ "موازنہ مذاہب" کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

"ایک (نیا) رسالہ جاری کیا گیا........ تھا۔ یہ ماہانہ رسالہ ہے "موازنہ مذاہب" جو یہاں یوکے سے چھپتا ہے اور اس میں بڑے اچھے علمی اور تحقیقی مضامین ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بڑے پسند آ رہے ہیں، اس کی ضرورت تھی اور گو اس وقت اس کی تعداد کم ہے لیکن اس کے بارے میں میں کہنا چاہتا ہوں جو لوگ اردو پڑھنا جانتے ہیں اُن کو اس رسالہ کا خریدار بننا چاہیئے۔ اس میں کافی اچھے مضامین ہیں بلکہ بعض مضامین کے ترجمے کر کے ریویو آف ریلیجنز میں بھی شائع کئے جا رہے ہیں۔"

(دوسرے دن کا خطاب، جلسہ سالانہ یوکے 2012ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 9 اگست 2013، صفحہ 2)

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib